کتاب وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار



اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:16 Issue:12 December 2023

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



حکمرانوں کو حکومتیں کیوں دی جاتی ہیں؟

از: مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا أُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ (سورۃ اعراف)

ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ: ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی (ستایا جارہا ہے) موسیٰ نے کہا: امید رکھو کہ اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا، اور تمہیں زمین میں اس کا جانشین بنادے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو۔

توضیح: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل پر اس طرح غصہ اُتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنادیا تو بنی اسرائیل گھبرائے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جو عذاب فرعون نے اُن پر ڈالا تھا وہ پھر آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کو محسوس فرمایا تو پیغمبرانہ شفقت اور حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی، ایک دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا، دوسرے کسود کا رتک صبر و ہمت سے کام لینا اور یہ بھی بتلادیا کہ اس نسخے کا استعمال کروگے تو یہ ملک تمہارا ہے تم ہی غالب آؤگے؛ یہی مضمون ہے پہلی آیت کا جس میں فرمایا ہے، اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ یعنی اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، اور پھر فرمایا: إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ یعنی ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے

اس کو اس زمین کا وارث و مالک بنائے گا اور یہ بات متعین ہے کہ انجام کار کامیابی متقی پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا جس کا طریقہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ استعانت باللہ اور صبر کا التزام کیا جائے تو انجام کار تم ہی ملک مصر کے مالک وقابض ہوگے۔

ہر تجربے کار عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کے لیے بہت سی خلافِ طبع محنت ومشقت برداشت کرنا لازمی ہے جس شخص کو محنت ومشقت کی عادت اور خلافِ طبع چیزوں کی برداشت حاصل ہو جائے وہ اکثر مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی۔ (ابوداؤد)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس حکیمانہ نصیحت اور اس پر مرتب ہونے والی فتح ونصرت کا اجمالی وعدہ کجروی کی خوگر بنی اسرائیل کی سمجھ میں کیا آتا یہ سب کچھ سن کر بول اٹھے اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ یعنی آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ایذائیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، مطلب یہ تھا کہ آپ کے آنے سے پہلے تو اس امید پر وقت گزارا جا سکتا تھا کہ کوئی پیغمبر ہماری گلوخلاصی کے لیے آئے گا، اب آپ کے آنے کے بعد بھی یہی سزاؤں کا سلسلہ رہا تو ہم کیا کریں گے؟

اس لیے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حقیقت امر کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ یعنی یہ بات دور نہیں کہ اگر تم نے ہماری نصیحت کو مانا تو بہت جلد تمہارا دشمن ہلاک و برباد ہوگا اور ملک پر تم کو قبضہ واقتدار ملے گا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ۔جس میں بتلا دیا کہ اس دنیا میں کسی زمین کی حکومت اور سلطنت خود کوئی مقصد نہیں بلکہ زمین میں عدل وانصاف قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی نیکی کو پھیلانے اور بدی کو روکنے کے لیے کسی انسان کو کسی ملک کی حکومت دی جاتی ہے، اس لیے جب تم کو ملک مصر پر اقتدار حاصل ہو تو ہوشیار رہو ایسا نہ ہو کہ تم بھی حکومت واقتدار کے نشے میں اپنے سے پہلے لوگوں کے انجام کو بھلا بیٹھو۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کو ہے لیکن اللہ جل شانہ نے ہر حکمران طبقے کو اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ درحقیقت حکومت اور سلطنت اللہ تعالیٰ کا حق ہے انسان کو بہ حیثیت خلیفہ کے وہی حکومت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے، تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۔ کا یہی مطلب ہے، نیز یہ کہ جس کو کسی زمین پر حکومت عطا کی جاتی ہے وہ درحقیقت حکمران فرد یا حکمران جماعت کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ مقصد حکومت یعنی قیامِ عدل وانصاف اور اقامت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔ (ملخص از معارف القرآن)



درسِ حدیث

جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت پانے کا عمل

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

وَعَن أنسٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسولُ اللهِ ﷺ: يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيسَ فِي قَلْبِك غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ، ثُمَّ قَالَ: يَا بُنَيَّ وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمن أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجنَّةِ (ترمذی: 2678)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تم ایسا کر سکو کہ صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو، تو تم ایسا کر لینا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹا! (سنو) اور یہ میری سنت ہے، جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر ''مدنی الطبع'' بنایا ہے، وہ خلوت وتنہائی والی زندگی کے مقابلے میں جلوت واجتماعیت کا خواہاں ہوتا ہے، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بھی یہی طرزِ زندگی پسندیدہ ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ''معاشرتی مسائل واحکام'' نہایت تفصیل ووضاحت کے ساتھ مذکور ہیں؛ تاہم آپسی ملنے جُلنے اور رہن سہن میں مزاجوں اور طبیعتوں میں تنوع واختلاف کی بنیاد پر رنجش وناراضگی ہو جانا ایک ایسا لابدی امر ہے، جسے بچا نہیں کیا جا سکتا، لازماً اہل اسلام کے قلوب آلودہ ہوں گے اور آپسی خلش بڑھتی چلی جائے گی، اور خوش گوار زندگی کے لئے دل کی اس کدورت کو ختم کرنا نہایت ضروری ہے، اسی لئے اسلامی تعلیمات اور الٰہی احکامات نے اِس سلسلے میں بھی اہلِ اسلام کی راہ نمائی وراہبری کی ہے، کہ کبھی اگر اِس طرح خلافِ مزاج وطبیعت کسی سے کوئی امر صادر ہو تو اُسے ''عداوت وکینہ'' کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے؛ بل کہ اُسے نفس کی گرانی ومشقت کے باوجود ختم کر کے دل کو صاف وپاک کر لیا جائے؛ اِس لئے کہ دل کا ہر طرح کے روحانی

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ ہذا

امراض سے پاک وصاف رہنا مقاماتِ عالیہ ودرجاتِ فائقہ پر فائز ہونے کے لئے از حد ضروری ہے، اس لئے معاملات ومعاشرت میں ہونے والی تلخیوں اور ناراضگیوں کو دور کرتے رہنا چاہیئے، حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین بھی اختلافات ہوئے ہیں؛ لیکن اُن کے قلوب ''رنجش وکدورت'' سے بالکل پاک تھے۔

جب حضرت امیر معاویہؓ کو خبر پہنچی کہ ''حضرت علیؓ شہید کردیئے گئے'' تو حضرت معاویہؓ رُونے لگے، اہلیہ نے اُن سے کہا: اب روتے ہو! حالاں کہ اُن سے تم نے جنگ کی ہے، حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، کیسی باتیں کرتی ہے؟ تجھے نہیں معلوم کہ ''آج علم وفضل اور فقہ لوگوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا''۔

(البدایہ: ۸/ ۱۳۰، بحوالہ حدودِ اختلاف: ۱۳۴)

مذکورہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نہایت مقرب ومحبوب خادم حضرت انسؓ کو بڑے ہی محبوبانہ ومشفقانہ انداز میں اسی اہم بات کی نصیحت فرمائی: بیٹا! اگر تم سے ہوسکے تو یہ کام کرو کہ تمہاری صبح وشام اِس حال میں گذرتی رہے کہ تمہارا دل ہر طرح کے ''کینہ'' ''حقد''، ''حسد'' اور ''عداوت ودشمنی'' کے جذبات سے پاک ہو۔

ظاہر بات ہے کہ دل کی یہ قابلِ قدر اور نیک کیفیت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے جسے ''معاف ودرگذر'' کرنے کی صفت حاصل ہو، پھر آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی اِس کیفیت وحالت کی اہمیت کو جتلاتے ہوئے فرمایا: کہ دیکھو بیٹا! یہ میری سنت اور طریقہ ہے، جس نے میری سنت سے محبت کی تو اس نے مجھ ہی سے محبت کی اور میرے ساتھ محبت کا صلہ جنت میں میری ''معیت ومصاحبت'' ہے، جو بڑی دولت اور نعمت ہے۔

اِس عظیم دولت ونعمت کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کا بار بار جائزہ لیں، اور اُس کو ہر طرح کی برائیوں خاص کر ''کینہ وعداوت'' کے مہلک جراثیم سے پاک رکھنے کے لئے فکر مند رہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مقدس کتاب کی سورۂ حشر میں مخلص صحابہؓ کرام کے خصائل حمیدہ اور قلوب کے رذائل سے پاکیزہ ہونے اور ان کی فلاح یابی کو بیان کرنے کے بعد، اُن کے بعد آنے والے مومنین کے بارے میں فرمایا کہ اُن کی زبانوں پر یہی دعا رہتی ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمادیجئے اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھئے۔ اے ہمارے پروردگار آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔

خداوند تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی محبت ومعرفت کے انوار سے منور فرمائے۔ آمین یارب العالمین

پیش گفتار

مکاتبِ دینیہ کی اہمیت حالاتِ زمانہ کے تناظر میں

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہ نستعین

بار بار یہ بات سامنے آچکی ہے اور آتی ہی جارہی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات اور مخصوص کٹّر پنتھ نظریات کے مدنظر مسلم بچوں کی اسلامی، ایمانی اور فکری تربیت کی ضرورت واہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لیکن یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی لیت ولعل کا شکار ہوگیا ہے، اب تک قدر ضرورت تو کیا قدر ضرورت کے ایک چوتھائی حصے تک بھی مکاتب قائم نہ ہوسکے، کسی بھی بستی اور اس کی مسلم آبادی کا سروے کرلیا جائے تو اکثر مقامات پر یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔

پھر جو مکاتب چل رہے ہیں وہ بھی تعداد وشمار میں زیادہ ہیں، نافعیت ومقصدیت کے حصول میں بہت کم ہیں، یہ صحیح ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے بعض فکرمند علماء کرام نے بہت ہی منظم اور مربوط ومرتب طریقے سے مکاتب کے چلانے میں کامیابی حاصل کی ہے، اور ان کا نفع بھی سامنے آرہا ہے لیکن یہ کام ضرورت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نہایت ہی محدود ومختصر ہے، جبکہ ضرورت کی مقدار یہ ہے کہ ہر باشعور مسلم بچہ اور بچی کی اسلامی مکتب میں حاضری یقینی ہوجائے، بے شک یہ معمولی بات اور آسان کام نہیں ہے لیکن مستقبل میں ملت کا تشخص اور اس کا مذہبی وتہذیبی امتیاز باقی رکھنا ہے تو یہ کام ہزار مشکلات وموانعات کے باوجود کرنا ہی کرنا ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کامیاب مکاتب کے علاوہ مسلم نسل نَو کو درپیش ارتدادی خطرات سے بچانے کی کوئی صورت بھی سامنے نہیں ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ پورے ملک کی ہر ریاست اور ہر ریاست کے تمام اضلاع ،قصبات وقرایا تک مکاتب دینیہ کی تحریک کو پہنچا کر ہر ہر مسلم بچے کو اس سے وابستہ کیا جائے ،کمسنی ہی سے ان کے عقیدہ وعمل کو اسلامی رنگ دینے اور ان کی فکر وشعور کو توحید ورسالت کے سانچے میں ڈھالنے کی ممکن سعی اور نمایاں کوشش کی جائے ،یہ بات ملک کے نامور مفکرین ؛داعیین اور علماء ومشائخین گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حالات کا اشارہ دیتے ہوئے بار بار کہتے رہے ،پوری قوت وبصیرت سے کہتے رہے ،خلاف ورزی و پہلوتہی کے بھیانک انجام سے ڈراتے رہے لیکن عوام وعلماء دونوں ہی نے اس کاز کی طرف وہ توجہ نہ دی جو دینی چاہیے تھی ،اگر اسی وقت سے ان آوازوں کو صدا بہ صحرا کرنے کے بجائے التفات وتوجہ کے ساتھ سن کر عملی جامہ پہنانے کی کما حقہ کوشش کرتے تو الحاد وارتداد کے جو دردناک مناظر آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور تکلیف دہ واقعات کان سن رہے ہیں اُن کی نوبت ہرگز نہ آتی ۔

ان بزرگوں کی دوراندیشی ؛زمانہ شناسی ؛اور تجربات زندگی نے انہیں جو سبق سکھائے تھے اور ان کی روشنی میں انہوں نے بروقت اپنے وارثینِ علم و جانشینِ دعوت کو خبردار کر دیا تھا ،ہم نے اگر ان کی تنبیہ وتنذیر کو قبل از وقت یا بعید از حقیقت یا مبنی بر مبالغہ سمجھ رکھا تھا تو خیر وہی سہی مگر اب جب کہ ان کے پیش کردہ اندیشے اور خطرات زمینی حقیقت بن کر سامنے آتے جارہے اور کھلی آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور الحاد وارتداد کی ننگی تلواریں مخصوص ذہنیت وسوچ کے حامل تنظیموں نے مسلمانوں کے سر پر لٹکادی ہے اور نئے نصابِ تعلیم کے ذریعے ملک کے تمام باشندگان کو قانون سازی کے ذریعے توحید پر شرک کی بالادستی کا ،نیز وسعتِ تہاذیب پر تنگیٔ مخصوص تہذیب کا زبردستی پابند بنادیا گیا ہے ،اب بھی اگر بزرگوں کے ان مشوروں اور راہ نمائیوں کی کوئی اہمیت ہم نہ سمجھ سکے تو اس سے بڑھ کر سنگدلی اور قساوت قلبی کچھ اور نہیں ہوسکتی ،اس سے بڑھ کر فرض ناشناسی وقوم فراموشی کی نظیر نہیں مل سکتی ۔

فی الحال تو عملی صورتِ حال اور زمینی حقائق یہ ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا موجودہ مکاتب بقدر ضرورت تو کیا ضرورت کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں ،اور جو ہیں ان میں سے اکثر موثر ومفیدِ مقصد نہیں ہیں روایتی انداز میں چل رہے ہیں ،اس لیے تمام نظمائے مدارس ؛صدور مساجد ؛علماء وحفاظ ؛ائمہ وموذنین کو چاہیئے کہ فوری اور ترجیحی بنیادوں پر اپنے اپنے علاقے اور زیر اثر مقامات پر مکاتب کے قیام کی طرف خصوصی توجہ دیں ،اگرچہ پہلے کے

مقابلے میں الحمدللہ بہت پیشرفت ہوئی ہے مگر جو کام ہو رہا ہے اس کے اعتراف وتشکر کے ساتھ ساتھ جو کام ہونا باقی ہے اس کی طرف قابل لحاظ پیش رفت کریں کیوں کہ حالات اب کسی انتظار کا بوجھ اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں، ابھی تک ہی بہت تاخیر اور مجرمانہ غفلت ہو چکی ہے مزید تاخیر ناقابل برداشت مصائب ومسائل کا سیلاب لاسکتی اور بے دینی وبدعقیدگی کا طوفان کھڑا کرسکتی ہے۔

اس لیے ملک کے تمام خدام دین سے ادباً گزارش ہے کہ

✷ دین کے دیگر کاموں کا قدرِ ضرورت وکفایت پر اکتفا کر کے قوم کے مساعدات، صدقات وعطایا کا بڑا حصہ مکاتب کے قیام پر صرف کریں۔ ✷ بالخصوص بے ضرورت تعمیرات میں سرمایۂ ملت کو ضائع کرنے کے بجائے ان کے بچوں کے سرمایۂ دین وایمان کے تحفظ اور پختگی پر لگائیں۔ ✷ لڑکوں کے لیے علیحدہ اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ مکاتب کا انتظام کریں، جس کے لیے معلمات کو تیار کر کے ان کی خدمات حاصل کی جائیں، مخلوط مکاتب ہرگز بھی مناسب نہیں ہیں، بالخصوص سمجھدار بچیوں بچوں کے حق میں، خواہ عمر کم ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ایسی بچیوں کا مکتب میں آنا معلم کے لیے بھی کسی خطرے سے کم نہیں ہے۔ مکتب کے بچوں کے لیے نصاب چاہے کوئی سا منتخب کرلیا جائے یا خود ہی مرتب کرلیا جائے مگر نظام ایسا ہو کہ ہفتے میں کم از کم ایک دن بچوں کی ذہن سازی کے لیے مختص رہے۔ ذہن سازی اس طور پر ہو کہ بچوں کو عقیدۂ توحید، عقیدۂ نبوت ورسالت اور عقیدۂ آخرت اچھی طرح سمجھا کر ذہن نشین کر دیا جائے۔ معرفتِ رب؛ محبتِ رسول اور عظمتِ قرآن کے اوصاف ان کے اندر پیدا کئے جائیں۔ ✷ ان عقیدوں اور صفتوں کو پیدا کرنے کے لیے سب سے مؤثر ذریعہ احسن القصص یعنی قرآنی واقعات اور احادیث شریفہ میں بیان کردہ سچے واقعات ہیں ان واقعات کو بچوں کے فہم کے مطابق کہانیوں کے انداز میں سنا کر عقائد اسلامی، صفات احسانی کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے، اخلاق حسنہ اور تہذیب ومعاشرت کے آداب سے روشناس کرایا جائے۔ ✷ سنتیں اور ادعیۂ مسنونہ کو رٹانے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اُن پر عمل کی تاکید کی جائے اور اس کے فوائد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ محبوبیت کے حوالے سے بار بار سنائے جائیں۔ ✷ نماز کی عملی مشق کا بھی کبھی کبھی اہتمام کیا جائے۔ ✷ اردو زبان پڑھنے لکھنے پر بھی توجہ دی جائے، گرچہ مکتب میں بچے وقت بہت مختصر دیتے ہیں مگر بہتر ترتیب اور استاد کی فکر ودلچسپی سے ان اہداف کے حصول میں کامیابی یقیناً ممکن ہے، نصاب کچھ بھی ہو نظام اچھا ہونا چاہیے۔ ✷ مکاتب کے نصاب ونظام کی مشمولات

درج ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔قرآن مجید کی بقدر ضرورت تجوید کے ساتھ تعلیم ،فنی کمال بآسانی پیدا ہو جائے تو ٹھیک ورنہ فرض درجے کی تجوید پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

۲۔نماز، روزے کی بنیادی احکام کی تعلیم ، یومیہ 10 منٹ اجتماعی طور پر۔

۳۔ادعیۂ مسنونہ، ایک مختصر سی دعا ایک ہفتے تک چھٹی سے قبل اجتماعی طور پر پڑھائی جاتی رہے، اس کے لئے صرف پانچ منٹ کافی ہیں۔

۴۔ ہفتے میں ایک دن ذہن سازی، یعنی ایمانیات واخلاقیات کو ذہن نشین کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جذباتی لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش قرآنی واقعات اور سیرت انبیاء کی روشنی میں۔

۵۔اگلے مرحلے میں اردو لکھنے پڑھنے کی مشق۔

۶۔مکتب کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کا ہو اور مکمل وقت کام میں استعمال ہو، پھر یہ سلسلہ کم از کم تین سال تک جاری رہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ انتہائی کام اسی وقت نتیجہ خیز اور مؤثر ثابت ہو سکتا ہے جب کہ معلمین مکتب کی اچھی تربیت ہو اور وہ اس کام کو کسی بھی دنیاوی غرض کے بجائے ملت کا حق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فریضہ مان کر اس میدان میں اُتریں، مختصراً یوں عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ کام پیشہ ورانہ طریقے پر آسان نہیں ہو سکتا رضا کارانہ طریقے پر بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔اللہ پاک ہم سب کو توفیق دے۔آمین

والسلام علی النبی الکریم

گوشہ سیرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سوال

از: مرتب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ: مشرکین قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو علماءِ یہود کے پاس مدینہ بھیجا کہ وہ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ خاص صفات معلوم کر کے اُنھیں بتائیں، کیوں کہ یہود اہلِ کتاب ہیں اور اُن کے پاس سابق انبیاء کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں، چناں چہ یہ دونوں مدینہ گئے اور علماءِ یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ خاص اوصاف کے بارے میں دریافت کیا؟ انہوں نے کہا کہ تین باتوں کے بارے میں تم اُن سے پوچھو، اگر وہ اُن کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی برحق ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، اور اگر وہ ان باتوں کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ بناوٹی باتیں کرنے والے ہیں، پھر تم اُن کے بارے میں اپنی رائے قائم کرلو۔ (۱) اُن سے اس جماعت کے بارے میں پوچھو جو پچھلے زمانے میں گذری ہے، اُن کا کیا معاملہ تھا، کیوں کہ اُن کے بارے میں عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں۔
(۲) اُس شخص کے بارے میں پوچھو جو جہاں دیدہ ہے جس نے شرق وغرب کا سفر کیا ہے، اُس کا کیا قصہ ہے؟۔
(۳) روح کے بارے میں پوچھو کہ اُس کی کیا حقیقت ہے؟

نضر اور عقبہ دونوں مکہ واپس چلے آئے، قریشِ مکہ سے ساری باتیں بتائیں، پھر مشرکینِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سوالات کیے جو یہود نے اُنہیں بتائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انشاء اللہ کہے بغیر اُن سے کہہ دیا کہ کل بتاؤں گا۔ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔) وہ لوگ چلے گئے، ۱۵/دن تک اللہ نے عتاباً کوئی وحی نازل نہیں فرمائی اور نہ ہی جبرئیلؑ تشریف لائے، یہاں تک کہ اہلِ مکہ نے یہ افواہ اُڑا دی کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کل بتانے کا وعدہ کیا تھا آج پندرہ دن گذر گئے ہیں اب تک کوئی جواب نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے رُک جانے سے بہت غم گین ہوئے، اور اہل مکہ کا جواب نہ دے سکنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرانی کا سبب ہوا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ عزوجل کی طرف سے سورۂ کہف لے کر آئے، جس میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین سے متعلق مشرکین کے جوابات دیئے گئے اور ساتھ ہی انشاء اللہ نہ کہنے اور وحی رُک جانے سے غمگین ہونے پر عتاب بھی فرمایا گیا۔ روح کے متعلق سوال کا جواب سورۂ اسراء آیت نمبر ۸۵ میں نازل کیا گیا۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۱۹۸)

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت اروىٰ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: حضرت اروىٰؓ کے نام ونسب کے حوالے سے بس یہ بتلادینا کافی ہے کہ حضرت اروىٰؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے تعلق سے اکثر مؤرخین ابن سعد، ابن قیم اور دیگر اہل سیر کا اتفاق ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: اروىٰ بنت عبد المطلب بن ہشام بن عبد مناف بن قصی۔ حضرت اروىٰ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزم تھا۔

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/۵ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نکاح: حضرت اروىٰؓ کا نکاح عمیر بن وہب (بن عبد بن قصی) سے ہوا، انہیں کے صلب سے ان کے ایک فرزند "طلیب رضی اللہ عنہ" کی ولادت ہوئی۔

قبول اسلام: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دین اسلام کا آغاز کیا، جن پاک طینت نفوس اور قدسی الصفات اشخاص نے پہلے پہلے تمام عواقب ونتائج سے بے پرواہ ہوکر کفار مکہ کی تمام تر مشقتوں اور دشمنیوں کو مول لے کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اُنہی میں حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی بھی سرفہرست ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما ہوکر ابھی کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ حضرت طلیب رضی اللہ عنہ دار ارقم سے مسلمان ہوکر گھر تشریف لائے، اور والدہ سے عرض گذار ہوئے کہ میں اپنے ماموں زاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر قبول اسلام کر چکا ہوں، اور وہ خدا کے سچے رسول ہیں، ابھی حضرت اروىٰ نے قبول اسلام نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنے فرزند ارجمند سے بڑے اخلاص اور ہمدردی سے کہا: بیٹے! تمہارا بھائی اس وقت مخالفتوں اور عداوتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، بے کس، مظلوم ومقہور، اور واقعی تمہاری امداد اور تعاون کا مستحق ہے، اے کاش! مجھ میں مردوں جیسی طاقت وقوت ہوتی تو میں اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کے پنجۂ استبداد وظلم سے نجات دلا دیتی،" واللہ لو کنا نقدر علی ما یقدر علیہ

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

الرجال لتبعناه ولذببنا عنه'' (حیاۃ الصحابۃ، دعوۃ طلیب لأمہ اروی بنت عبدالمطلب: ۱/۲۲۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

طلیب رضی اللہ عنہ نے کہا: امی جان! پھر آپ قبول اسلام کیوں نہیں کرتیں؟ انہوں نے جواب دیا مجھے دوسرے بہنوں کا انتظار ہے،'' قالت: أنظر ما تصنع اخواتی، ثم أکون مثلھن'' بیٹا عرض گذار ہوا کہ والدہ محترمہ اب انتظار کی گھڑیاں نہیں ہیں، چلیں میرے ساتھ، بھائی کے پاس چلتے ہیں، اور دولتِ اسلام بہریاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اروی ؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں، اور دار ارقم میں تشریف لا کر سعادت اسلام سے بہرہ ور ہوگئیں، یہ واقعہ ۳ سن نبوی کا ہے، بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت اروی ؓ اور حضرت طلیب ؓ نے حضرت حمزہ ؓ کے بعد اسلام قبول کیا، بلکہ حضرت طلیب ؓ نے والدہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے حضرت حمزہ ؓ کے قبول اسلام کا بھی تذکرہ کیا، لیکن یہ روایت کس قدر ضعیف اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ ثانیہ کے بعد سن ۶ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ اس زمانے میں حضرت ابو طلیب ؓ بجانب حبشہ ہجرت فرما چکے تھے۔ (اسد الغابۃ، اروی بنت عبدالملطب: ۷/۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

بیٹے کو ماں کی ترغیب

حضرت اروی اور حضرت طلیب ؓ دونوں قبول اسلام سے پہلے بھی حضرت سرکار دو عالم ﷺ کے خیر خواہ اور ہمدرد تھے، اس لئے حضرت اروی ؓ اپنے فرزند کو ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی معاونت و مدد کی ترغیب دیتی، حضرت طلیب ؓ نبی کریم ﷺ کے فداکار اور جانثار تھے، ماں کے حوصلے اور ہمت نے جذبۂ عشق و محبت کو اور برانگیختہ کر دیا، ہر وقت حضور کی حفاظت اور اعانت کے حوالے مستعد اور چوکنا رہتے۔

ایک واقعہ حافظ ابن حجر ؒ نقل کرتے ہیں: ''ایک دفعہ عوف بن صبرہ سہمی نے حضرت طلیب ؓ کے سامنے سرور دو عالم ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے، حضرت طلیب ؓ جوش غضب سے بیقرار ہو گئے، اور اس کو اونٹ کے کولہے کی ہڈی کو مار کر لہولہان کر دیا، عوف نے حضرت اروی ؓ سے شکایت کی تو انہوں نے برجستہ کہا:

إن طليبا نصر ابن خاله
واساه فی دمه وماله

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/۴۳، دار صادر، بیروت)

حضرت طلیب ؓ نے اپنے ماموں زاد بھائی کی مدد کی، اور اس کے خون اور اس کے مال کی غم خواری کی۔

اور ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دشمنان اسلام کا سردار ابو جہل نے چند مسلمانوں کو قبول اسلام کی جرم اور پاداش میں قید و بند کی سزا دی، اس کی وجہ سے حضرت طلیب ؓ کو بڑا غصہ آیا، اور انہوں نے اپنے ماموں ابولہب

ہی کو خوب پیٹ دیا، لوگ اپنے سردار کو پیٹتے دیکھ کر حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کے درپئے آزار ہو گئے، اور ابولہب کو چھڑا کر طلیب کو باندھ دیا، معزز گھرانے کے فرد تھے جلد ہی رہا کر دیا، ابولہب نے اپنی بہن سے حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے شکایت تو حضرت اروی نے جواب دیا: ''طلیب رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جس میں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرے''۔ ''خیر أیامه یوم یذب عن ابن خاله''

(الطبقات الکبری لابن سعد: اوری بنت عبدالمطلب: ۸/ ۴۳، دار صادر، بیروت)

اسی طرح ایک دفعہ کا واقعہ ہے حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ابواہاب بن عزیز دارمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے تو انہوں نے چپکے سے جا کر اس کا سر ہی قلم کر دیا۔ حضرت اروی کو پتہ چلا تو بڑی خوش ہوئیں اور اپنی رضا کا اظہار کیا۔

بیٹے کی جدائی اور صبر

بعثت کے بعد سن ٦ نبوی میں حضرت طلیب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء پر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے، وہاں سات سال قیام کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے کچھ ہی عرصہ قبل مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے، حضرت اروی رضی اللہ عنہا نے اپنے سعادت مند بیٹے کی جدائی اور مفارقت کا یہ طویل عرصہ نہایت صبر واطمینان اور بڑے استقلال و ہمت کے ساتھ گذارا۔

(الطبقات الکبری لابن سعد، طلیب بن عمیر: ۳/ ۹۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اشعار کا ذوق:

نہایت ہی عظیم شاعرہ تھیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت وثنا میں اشعار کہے ہیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر بھی۔

وفات:

حضرت اروی رضی اللہ عنہا کا سن وفات اور دیگر احوال مذکور نہیں۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک بقید حیات تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر انہوں نے نہایت دردانگیز اشعار بھی کہے تھے۔ لیکن یہ روایت اتنی مضبوط نہیں۔

تذکارِ صحابہؓ

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت عامرؓ بن ربیعہ کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی حقانیت پر ایمان لانے والے اٹھائیسویں فرد تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دارارقمؓ میں تشریف نہ لائے تھے۔

امام ابونعیم اصفہانی نے ان الفاظ میں عامرؓ بن ربیعہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے: عامرؓ عطیات میں کوئی رغبت نہ رکھتے تھے، وہ زمین اور جائیداد سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے ذکر الٰہی سے مساجد اور تمام مقامات کو آباد رکھا۔ فتنوں میں مبتلا نہ ہوئے اور پاک دامنی کی زندگی بسر کی۔ عامرؓ کی بے نیازی اور ان کے غنا کی وضاحت کرنے کے لیے اصفہانی نے یہ روایات بیان کیں۔ ایک رئیس نے انہیں قطعۂ زمین دینا چاہا تو جواب دیا، مجھے تمہاری اراضی کی کوئی حاجت نہیں۔ آج ہی ایک سورت نازل ہوئی ہے جس نے ہمیں دنیا سے بے پروا کر دیا ہے: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں منہ موڑے جا رہے ہیں۔ (سورۂ انبیا:۱)

سوانحی خاکہ:

آپ کا نام نامی: عامر، کنیت: ابوعبداللہؓ، والد کا نام: ربیعہ۔ آپؓ کے نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب کی دو شاذ روایتوں کے مطابق آپ کے دادا کا نام مالک بن عامر یا عامر بن مالک تھا۔ نسابین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ بنوعدی کے عبدالعزی کے بیٹے اور حضرت عمرؓ کے والد خطاب بن نفیل کے معاہد وحلیف تھے اس لیے ان کو عدوی بھی کہا جاتا تھا۔ خطاب نے عامرؓ کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا چنانچہ انہیں عامرؓ بن خطاب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ سورۂ احزاب میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ۔ لے پالکوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے ہاں زیادہ قرین انصاف ہے۔ اور اگر تمہیں ان کے آبا کا علم ہی نہ ہو تو تمہارے دینی بھائی اور تعلق دار ہیں۔ (آیت:۶) تو انہیں ان کے اصل نام عامرؓ بن ربیعہ سے پکارا جانے لگا۔

---

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

قبول اسلام اور ہجرت حبشہ:

حضرت عامرؓ نے زمانۂ جاہلیت کے موحد زید بن عمرو بن نفیل سے نبیٔ موعود صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات اور ان کی نشانیاں سن رکھی تھیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کی طرف سبقت کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ زید نے کہا تھا، میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد، بنو عبد المطلب میں ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کا انتظار کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں زندگی نے مہلت دی اور انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میرا اسلام کہہ دینا۔ چنانچہ عامرؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زید کا سلام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کا جواب دیا، زید کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا، میں انہیں جنت میں ناز و انداز کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھ رہا ہوں۔

۵ ؍نبوی میں قریش کے مظالم سے پسے ہوئے اہل ایمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''کاش تم سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جاتے اور وہاں اس وقت تک قیام کرتے جب تک اللہ کشادگی کی راہ نہ نکال دیتا۔ حبشہ امن اور سچائی کی سرزمین ہے، وہاں ایسا بادشاہ حکم ران ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔'' چنانچہ رجب ۵ نبوی میں اہل ایمان کا پہلا قافلہ عثمانؓ بن مظعون کی قیادت میں سوئے حبشہ عازم ہجرت ہوا۔ عثمانؓ بن عفان، ان کی اہلیہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ابو حذیفہؓ بن عتبہ، ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہیل، زبیرؓ بن عوام، مصعبؓ بن عمیر، عبد الرحمانؓ بن عوف، ابوسلمہؓ، ان کی زوجہ ام سلمہؓ، عثمانؓ بن مظعون، عامرؓ بن ربیعہ، ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابوحثمہ (شاذ روایات: خیثمہ یا حذافہ)، ابوسبرہؓ بن ابو ہاشم، حاطبؓ بن عمرو، سُہیلؓ بن بیضا اور عبد اللہؓ بن مسعود اس قافلۂ اولین میں شامل تھے۔ ابن اسحاق نے دس اور ابن خلدون نے گیارہ کا عدد بیان کیا ہے تاہم طبری اور ابن ہشام نے چودہ صحابہؓ شمار کیے ہیں جو نصف دینار کرایہ ادا کر کے ایک یا دو کشتیوں پر حبشہ گئے۔ مندرجہ بالا فہرست میں ہم نے مختلف روایتوں کو جمع کر کے سولہ صحابہؓ کے نام تحریر کیے ہیں۔ قریش نے مہاجرین کا پیچھا کیا؛ لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آسکے۔ چند ماہ کے بعد جعفرؓ بن ابو طالب کی قیادت میں سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروپ حبشہ روانہ ہوا، اس طرح ہجرت اولیٰ مکمل ہوئی اور کل تراسی اصحابؓ (بشمولیت عمارؓ بن یاسرؓ جن کا حبشہ جانا ثابت نہیں) حبشہ پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد تمام اہل مکہ کے ایمان لانے کی افواہ حبشہ پہنچی تو صحابہؓ کی ایک تعداد نے مکہ واپسی کا قصد کیا، عامرؓ بن ربیعہ ان میں سے ایک تھے۔ مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جو خبر انہیں سنائی گئی تھی جھوٹ تھی۔ تب کل تینتیس اصحابؓ چوری چھپے یا کسی مشرک کی پناہ لے کر مکہ میں مقیم ہو گئے۔ ان کی اکثریت نے یہیں سے مدینہ کو ہجرت کی، تاہم کچھ افراد کو مشرکوں نے قید کر لیا۔ عامرؓ بن ربیعہ بھی مکہ میں داخل ہو گئے؛ لیکن کسی کی پناہ نہ لی۔

ہجرت مدینہ اور غزوات وسرایا میں شرکت:

بعثت محمدیؐ کے دسویں سال، حج کے موقع پر مدینہ کے باسی اللہ کی توفیق سے اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ ۱۱ نبویؐ میں بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کرنے کا اذن عام دے دیا، تب عامرؓ بن ربیعہ، ان کی اہلیہ لیلیٰؓ ، عبداللہؓ بن جحش، ان کی اہلیہ اور بھائی ابواحمد عبدؓ بن جحش دار ہجرت پہنچے۔ خود ان سے روایت ہے، مجھ سے پہلے صرف ابوسلمہؓ بن عبدالاسد ہی مدینہ آئے تھے البتہ عامرؓ کی اہلیہ لیلیٰؓ بنت ابوحثمہ مدینہ پہنچنے والی پہلی خاتون تھیں۔ عامرؓ ، ابوسلمہؓ اور بنو جحشؓ (جحش کا کنبہ) مدینہ کے مضافات قبا میں بنوعمرو بن عوف کے محلہ میں مبشرؓ بن عبدالمنذر کے ہاں مقیم ہوئے۔ مصعبؓ بن عمیر، عثمانؓ بن مظعون، ابوحذیفہؓ بن عتبہ اور عمارؓ بن یاسرؓ بھی اسی زمانے میں وہاں منتقل ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یزید بن منذر انصاری سے حضرت عامرؓ بن ربیعہ کی مواخات قائم فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی مہمات میں بھی شریک ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عامر سے فخر کے ساتھ ان شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت وناداری کے باعث سامانِ رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھی، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی۔ عبداللہ نے متعجب ہوکر پوچھا ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟ فرمایا جانِ پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہوجاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لیے بھی ترس جاتے تھے۔

۲ھ، جمادی الثانی یا رجب کے مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کی خبر لینے کے لیے عبداللہؓ بن جحش کی سربراہی میں نو (واقدی کے مطابق بارہ) مہاجرین کا ایک سریہ روانہ کیا۔ عبداللہؓ کے علاوہ ابوحذیفہؓ بن عتبہ، عکاشہؓ بن محصن، عتبہؓ بن غزوان، سعدؓ بن ابی وقاص، عامرؓ بن ربیعہ، واقدؓ بن عبداللہ، خالدؓ بن بکیر اور سہیلؓ بن بیضا اس میں شامل تھے۔ یہ چھ اونٹوں پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہؓ کو ایک خط دے کر فرمایا، مدینہ سے مکہ کی جانب دو دن کا سفر (اٹھائیس میل کی مسافت) طے کر لینے کے بعد وادئ ملل پہنچ کر اسے پڑھنا۔ آپؐ کی ہدایت کے مطابق انھوں نے خط کھولا تو لکھا پایا،'' مکہ اور طائف کے بیچ واقع مقام نخلہ کی طرف سفر جاری رکھو، وہاں پہنچ کر قریش کی نگرانی کرو اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔'' عبداللہؓ نے فرمان نبویؐ پر سمع وطاعت کہا اور ساتھیوں کو بتایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو زبردستی آگے

لے جاؤں۔ جو شہادت چاہتا ہے، چلے۔ سب چل پڑے، کوئی پیچھے نہ رہا۔ دستہ بحران کے مقام پر پہنچا تو عتبہؓ بن غزوان اور سعدؓ کا مشترکہ اونٹ کھو گیا۔ دونوں اسے تلاش کرنے لگ گئے، ابن جحشؓ باقی ساتھیوں کو لے کر چلتے رہے اور نخلہ پہنچ گئے۔ کشمش، کھالیں اور دوسرا سامان تجارت لے کر چار افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ گزرا۔ عکاشہؓ نے سر منڈا یا نہ ہوتا تو اہل قافلہ انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے، وہ مغالطہ میں رہے کہ مسلمان عمرہ کے لیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا، اگر قافلے والوں کو آج کی رات چھوڑ دیا تو یہ حدود حرم میں داخل ہو کر مامون ہو جائیں گے اور اگر قتال کیا تو یہ حرام مہینے میں ہوگا۔ کچھ پس وپیش کے بعد انہوں نے حملے کا فیصلہ کیا۔ مشرک کھانا پکانے میں مصروف تھے، واقدؓ بن عبداللہ نے تیر مار کر قافلے کے سردار عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ فرار ہو گیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ ساتویں مہم اور پہلا سریہ تھا جس میں کامیابی ملی، عمرو عہد اسلامی کا پہلا قتیل اور عثمان اور حکم پہلے اسیر تھے۔ عبداللہؓ بن جحشؓ نے تاریخ اسلامی میں حاصل ہونے والے پہلے مال غنیمت کی اپنے طور پر تقسیم کر کے ۵/۱ حصہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رکھ لیا حالانکہ خمس کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ سریہ عبداللہؓ بن جحش جنگ بدر کے وقوع کا سبب بنا کیونکہ اس سے قریش کی معیشت کو سخت دھچکا لگا۔ ان کی تمام تر خوش حالی شام سے تجارت پر موقوف تھی، حبشہ اور یمن سے تجارت کا اتنا حجم نہ تھا کہ وہ اس پر انحصار کر لیتے۔ اس مہم کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قریش پر مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت کا رعب بیٹھ گیا۔

ابن ماجہ کی روایت ہے، عامرؓ بن ربیعہ کہتے ہیں، ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آسمان ابر آلود گیا اور ہمارے لیے قبلے کا تعین کرنا مشکل ہو گیا۔ ہم نے نماز پڑھ لی اور اپنے رخ کو نشان زد کر لیا۔ بادل چھٹ کر سورج نکلا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارا رخ قبلے کی طرف نہ تھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو اللہ کا فرمان نازل ہوا: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۗ ۔

(ابن ماجہ: ۱۰۲۰)

فتح مکہ سے پہلے غزوۂ ذات سلاسل ہوا۔ ۸ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمروؓ بن عاص کی قیادت میں ایک فوج شام کی سرحد پر آباد قبیلے بنو بلی کی طرف بھیجی۔ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لیے عمروؓ نے کمک مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہؓ بن جراح کی سربراہی میں ایک دستہ روانہ کیا، ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اس میں شامل تھے۔ پانچ سو سپاہیوں پر مشتمل اس مشترکہ فوج نے عمروؓ بن عاص کی کمان میں پورے علاقے میں گشت کیا تو دشمن کی فوج بکھر گئی۔ آخر کار سرحد کے قریب بنو بلی، بنوعذرہ اور بلقین (بنو قین) کی سپاہ سے ان کا سامنا ہوا۔

گھنٹا بھر کی جنگ میں خوب تیراندازی ہوئی، اس کے بعد دشمن کو شکست ہوئی۔ایک تیر جیش اسلامی میں شامل عامرؓ بن ربیعہ کے بازو پر لگا اور وہ زخمی ہو گئے۔

دیگر خدمات اور وفات:

عہد خلافت راشدہ میں بھی حضرت عامرؓ کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا تھا، اور آپ کی شخصیت کو قدیم الاسلام اور بدری ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا۔عہد فاروقی ۱۶ھ میں جب بیت المقدس کا محاصرہ طول پکڑا تو شہر والے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہوئے کہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ بذات خود شہر کی کنجیاں وصول کریں اور معاہدۂ صلح پر خود دستخط کریں۔عمر فاروقؓ نے اہل رائے سے مشورہ کیا تو اکثریت نے ان کو خود جانے کا مشورہ دیا۔وہ مدینہ سے ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے، مقدمۂ جیش پر عباسؓ بن عبدالمطلب کو مامور کیا، عثمانؓ بن عفان، عامرؓ بن ربیعہ، طلحہؓ بن عبیداللہ، اسیدؓ بن حضیر، علقمہؓ بن مجزز لشکر میں شامل تھے۔حضرت عامرؓ نے امیر المومنینؓ کا پرچم اٹھا رکھا تھا۔شام کے شہر حوران کے قصبہ جابیہ پہنچے تو عمرؓ نے اپنے کمانڈروں یزیدؓ بن ابوسفیانؓ، خالدؓ بن ولید اور ابوعبیدہؓ بن جراح سے صلاح مشورہ کیا۔جابیہ میں بیت المقدس کے لاٹ پادری صفرنیوس کے ایلچی ان سے معاہدۂ صلح کرنے آئے۔جابیہ ہی میں حضرت عمرؓ نے اپنا مشہور خطبہ دیا جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات بتانے کے ساتھ تقدیر پر بحث کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔(ترمذی، ابن ماجہ)

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ حج پر روانہ ہوئے تو عامرؓ بن ربیعہ کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر کیا۔عہد عثمانیؓ کے اواخر میں فسادیوں نے حضرت عثمانؓ پر طعن زنی شروع کی۔عامرؓ کے بیٹے عبداللہؓ روایت کرتے ہیں، اسی زمانہ میں ایک رات عامرؓ تہجد پڑھتے پڑھتے سو گئے۔خواب میں ایک شخص نے کہا، اٹھ کر اللہ سے دعا مانگو کہ وہ تمہیں اس فتنہ میں پڑنے سے بچائے جس سے اس نے اپنے صالح بندوں کو محفوظ رکھا ہے۔بیدار ہو کر انہوں نے نوافل مکمل کیے، انہی الفاظ میں دعا مانگی اور بیمار پڑ کر گھر میں مقید ہو گئے۔اسی بیماری میں انہوں نے وفات پائی اور ان کا جنازہ ہی گھر سے نکلا۔

۳۵ھ یا ۳۷ھ میں حضرت عامرؓ بن ربیعہ کا انتقال ہوا۔امام واقدی کے مطابق آپؓ کی وفات حضرت عثمانؓ کی شہادت (۳۵ھ) کے کچھ دن بعد ہوئی۔اس زمانہ میں آپ گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔جنازہ اٹھایا گیا تو ہی لوگوں کو آپ کی بیماری کا علم ہوا۔رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ۔

اصلاحی مضامین

مسلمانوں کی پانچ بیماریاں

از: مولانا سید احمد ومیض ندوی*

پڑوسی مسلم ملک کے ایک معروف کالم نگار اپنے ملک میں موجود ایک یوروپی ملک کے سفیر سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ یوروپی ملک کا ان کا یہ سفیر دوست عام سفیروں کی طرح نہ تھا بلکہ سفیر کے ساتھ وہ ایک دانشور اور تجزیہ نگار بھی تھا۔ قوموں کے عروج وزوال کا مطالعہ اس کا محبوب مشغلہ تھا، بقول ان کالم نگار کے ان کا سفیر دوست جب گفتگو کرتا اور دلائل دیتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ غبار چھٹ رہا ہے اور حقیقتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں۔ ماضی کے تجزیوں کی بنیاد پر وہ مستقبل کی ایسی پیشین گوئی کرتا کہ آنے والا زمانہ نظروں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ مذکورہ معروف کالم نگار نے اپنے یوروپی سفیر دوست کے ساتھ ہوئی آخری ملاقات کی تفصیلات اپنے ملک کے ایک روزنامے میں شائع کی ہے چونکہ اس گفتگو میں اور مسلمانوں کے تعلق سے اس یوروپی سفیر کے تاثرات میں ہم سب مسلمانوں کے لئے غور وفکر کے ان گنت گوشے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کے الفاظ میں اس گفتگو کو من وعن نقل کر دیا جائے۔ کالم نگار موصوف تحریر کرتے ہیں:

’’جس دن مجھے اطلاع ملی کہ طویل قیام کے بعد وہ یہاں سے واپس جارہا ہے اور انہی فرائض منصبی کو اب کسی اور ملک میں سرانجام دے گا تو میں نے اس سے درخواست کی کہ روانگی سے پہلے میرے ہاں آئے اور کچھ وقت گزارے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ہمارے ملک میں تم نے اتنے سال گزارے۔ مشاہدہ کیا۔ طول و عرض میں گھومے پھرے۔ شہر، قصبے اور قریے دیکھے عوام اور خواص سے ملاقاتیں کیں۔ سیاست داں، نوکر شاہی فوج سب کو قریب سے دیکھا، تم کس نتیجے پر پہنچے اور ہمارا مستقبل تمہیں کہاں اور کیسا نظر آرہا ہے؟ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ میرے سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرے گا۔ تاہم کچھ دیر کے بعد اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا ’’میں یہاں آنے سے پہلے بہت سے ملکوں میں رہا۔ مسلمان ملکوں میں بھی مغربی ملکوں میں بھی اور مشرق بعید کے ملکوں میں بھی۔ میری سوچی سمجھی رائے تمہارے ملک کے بارے میں یہ ہے کہ یہاں بے پناہ ٹیلنٹ ہے۔ ترقی کے لامحدود امکانات ہیں لیکن تمہارے قومی جسم کو چند بیماریاں لاحق ہیں

* استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

اور یہ بیماریاں ٹیلنٹ کو کچھ نہیں کرنے دیتیں۔

پہلی بیماری تم لوگوں کی انتہائی درجہ کی جذباتیت ہے جو تمہیں سوچنے سمجھنے سے تجزیہ کرنے سے اور دعویٰ کا ثبوت دیکھنے سے روکتی ہے۔اس کی وجہ تعلیم کا نہ ہونا ہے یا ایک تاریخی روایت کا تسلسل ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام جذبات کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔ میں یہ سن کر حیران ہوتا ہوں کہ تحریک پاکستان میں عوام تمہارے محبوب قائد کی تقریر انگریزی میں سنتے تھے اور بغیر سمجھے لبیک کہتے تھے۔ یہ بات فخر سے بیان کرتے وقت تم لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یہی وہ عوام ہیں جو بغیر سوچے سمجھے ہر بھٹو ہر جمشید دستی ہر پیر سپاہی ہر نجومی اور ہر تعویذ فروش کو کامیاب کراتے ہیں اس جذباتیت کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ تم لوگ کسی ثبوت کسی شہادت کے بغیر اپنی رائے کی درستی پر اصرار کرتے ہو اور مرنے مارنے پر تل جاتے ہو۔ کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے طالبان کو الزام دیتے ہیں اور کچھ امریکہ کو اور ثبوت دونوں کے پاس نہیں ہیں اور یہ صرف ایک مثال ہے۔

تم لوگوں کو لاحق دوسری خطرناک بیماری یہ ہے کہ تم قانون کو فیصلہ کرنے نہیں دیتے اور خود فیصلہ کرتے ہو۔ یوں ہر شخص کا فیصلہ مختلف ہوتا ہے۔ جب بھی ٹریفک حادثہ ہوتا ہے اور ایک منٹ سے کم عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہو جاتے ہیں تو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ چھوڑیں۔کوئی بات نہیں۔کوئی ایک شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ آپ کے درمیان پولیس فیصلہ کرے گی آپ اس حد تک قانون سے بھاگتے ہیں کہ اپنے اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ذاتی رائے کو ترجیح دیتے ہیں آپ کا پسندیدہ رہنما کرپشن کرے تو آپ کی رائے یہ ہوتی ہے کہ سارے کرپشن کرتے ہیں۔آپ کا پسندیدہ رہنما کسی کو قتل کردے یا کرادے تو لاکھوں لوگوں کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ آخر بادشاہ قتل کراتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ناجائز زمین پر مسجد بنائی جائے تو اسلامی قانون کو پس پشت ڈال کر صرف یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کا گھر ہے۔ جہاں بھی بن جائے۔ اگر اس رویہ کے بجائے تم لوگوں کا رویہ یہ ہو جائے کہ ہر مقابلہ میں قانون کا فیصلہ دیکھا جائے اور اپنی رائے نہ دی جائے،تو تم لوگوں کی حالت ہی بدل جائے۔

تمہاری تیسری بیماری یہ ہے کہ تم لوگ دوسرے سے رابطہ صرف اس وقت کرتے ہو جب تمہارا اپنا کام ہوتا ہے لیکن جب تمہارے ذمے دوسرے کا کام ہو تو تم رابطہ نہیں کرتے۔ دنیا میں جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں وہ اس بے حد خطرناک بیماری سے پاک صاف ہیں جس کے ذمے جو کام ہے وہ اسے پورا کر کے متعلقہ شخص کو یا ادارے کو مطلع کرتا ہے اور اگر نہیں کرسکتا تب بھی اطلاع دیتا ہے تمہارے معاشرہ میں ایک غدر برپا ہے سائل مسؤل کے پیچھے قرض خواہ مقروض کے پیچھے آجر مزدور کے پیچھے بھاگ رہا ہے،جس جگہ پہنچنا ہے وہ وہاں پہنچتا

ہے۔ نہ کچھ بتاتا ہے، جس نے کام کر دیا وہ بھی نہیں بتاتا کہ کام ہو چکا ہے۔ جس نے کام نہیں کیا وہ بھی خاموش ہے یا غائب ہے۔ یہ جہالت ہے یا غیر ذمہ داری ہے۔ جو کچھ بھی ہے تمہارے وسائل کو ضائع کر رہی ہے۔

چوتھی خطرناک بیماری یہ ہے کہ تمہاری اکثریت مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کر رہی ہے اور تم لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں۔ اسلام کا اولین مقصد فرد کی اصلاح ہے لیکن اسلام کے جو اصول فرد کی اصلاح کے لئے تیر بہدف ہیں انہیں آج ترقی یافتہ ملکوں کے لوگ استعمال کر رہے ہیں اور مسلمان انہیں رات دن پیروں تلے روندر ہے ہیں۔ صرف ایک مثال دیکھ لو کہ وعدہ خلافی تمہارے معاشرہ میں اس قدر عام ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اسے برا سمجھتا ہے۔ جھوٹ کی وہ کثرت ہے کہ گھر، بازار دفتر، سیاست، تجارت، مسجد ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ تاجر اپنی اشیاء بیچنے کے لئے لوگوں کے مذہبی جذبات کا بے تحاشا استحصال کر رہے ہیں۔ شہد بیچتے وقت اسے اسلامی شہد کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے کسی ملک میں عیسائی ہندو یا یہودی شہد نہیں دیکھا۔ دکانوں کا نام مدینہ مکہ اسلامی اور حرمین رکھا جاتا ہے تاکہ جذبات سے کھیلا جائے۔ لالچ اور سنگدلی کی انتہا یہ ہے کہ نہاری اور پان تک تم لوگ اپنے رسول کے نام پر بیچ رہے ہو اور اس توہین پر کسی کو شرم نہیں آتی ہے نہ افسوس۔ مذہبی رہنماؤں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہاری آمدنی کے ذرائع کیا ہیں اور مدرسوں میں پڑھانے والے مفلوک الحال علماء اور مدرسوں کے مالکان سے نہیں پوچھتے کہ تمہارا معیار زندگی کروڑ پتیوں جیسا کس طرح ہو گیا ہے؟

تمہاری پانچویں بیماری یہ ہے کہ افریقی ممالک کو چھوڑ کر تم شاید دنیا میں سب سے زیادہ گندے ہو، جتنے گندے تمہارے مسجدوں کے طہارت خانے ہیں اتنے گندے میں نے کسی اور مسلمان ملک میں نہیں دیکھا۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب میں نے دیکھا کہ وضو کرنیکی جگہ ایک مسواک رکھا ہوتا ہے اور ہر شخص آکر اسے استعمال کرتا ہے۔ تم لوگوں کو دھول اور گرد سے گھبراہٹ ہوتی ہے نہ ٹھہرے ہوئے گندے پانی سے گھن آتی ہے، مکان تعمیر کرنے والا تمہاری پوری سڑک پر ریت اور سیمنٹ ڈال دیتا ہے۔ لیکن کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔ تمہارے ٹاپ کے شہروں میں لوگ چلتی گاڑیوں سے پھلوں کے چھلکے اور سگریٹ کی خالی ڈبیاں سڑک پر پھینک دیتے ہیں اور نہ کسی کو شرم آتی اور نہ کوئی اعتراض کرتا ہے۔

کاش تم لوگ پوری دنیا کی اصلاح کرنے کے بجائے کچھ وقت ان پانچ بیماریوں کی فکر بھی کرو جنہوں نے تمہارے جسم کو تعفن میں ڈال رکھا ہے''۔ (نوائے وقت۔ ۷ رمئی ۲۰۱۲ء)

اہلِ مغرب میں پائی جانے والی بے شمار خرابیوں کے اعتراف کے باوجود مذکورہ مغربی سفارت کارنے

مسلمانوں کی جن بیماریوں کا تذکرہ کیا ہے وہ سو فیصد درست ہیں۔ ہمارے اندر بے انتہاء جذباتیت ہے۔ ہم اکثر وبیشتر ہوش کھو کے نرے جوش سے کام لیتے ہیں جس کے نتائج عموماً ہولناک تباہی کی شکل میں نکلتے ہیں۔ ہم میں اکثر دوسروں سے اسی حد تک رابطہ رکھتے ہیں جب تک اس سے اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ ہم میں تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ ہماری ملت کی اکثریت صفائی ستھرائی کا اہتمام نہیں کرتی ہم میں سے بہت سے لوگ مذہب کو ذاتی اصلاح کے بجائے مالی فائدہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین ہمیں ان ساری بیماریوں سے پاک کرتا ہے۔ ہمارے دین کی بے شمار معاشرتی اور انسانی و اخلاقی تعلیمات کو اہل یوروپ نے اپنایا ہے یہاں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس ملفوظ کو دہرانا بجا معلوم ہوتا ہے جسے ان کے لائق فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ نے اپنے دورۂ ہند کے موقع پر ایک خطاب میں کہا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں ''حق میں دبنے کی صلاحیت نہیں حق ہمیشہ سربلند رہنے کے لئے آیا ہے الحق یعلو و لا یعلی حق تو ہمیشہ سربلند ہوگا اور باطل غالب ہونے کے لئے نہیں بلکہ مغلوب ہونے کے لئے آیا ہے ''ان الباطل کان زھوقا''۔ باطل مٹنے اور مغلوب ہونے والی چیز ہے وہ غالب ہونے والی چیز نہیں۔ اگر کسی باطل قوم کو دیکھو کہ دنیا میں ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جو اس کو ابھار رہی ہے اور اگر کسی حق قوم کو دیکھو کہ پستی کی طرف جارہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ باطل قومیں ترقی کرتی ہیں تو باطل کی وجہ سے نہیں بلکہ کوئی حق کی صفت اختیار کرنے کی وجہ سے باطل کو ترقی ملتی ہے۔ عرصہ دراز سے اہل مغرب کو دنیا میں ترقی مل رہی ہے اس لئے کہ ان کے اندر حق کی کچھ صفات ہیں جس کو انہوں نے اپنی زندگیوں میں اختیار کرلیا ہے''۔

اس کے بعد مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ اہلِ مغرب میں پائی جانے والی حق کی صفات کی وضاحت کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں ''بیشتر مغربی ممالک میں یہ معاملہ ہے کہ ان کے یہاں جو مال بک رہا ہوگا وہ لوگ اس کی حقیقت پوری طرح واضح کردیں گے کہ اس کے اندر فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ پھر اگر کسی خریدار کی خریدنے کے بعد رائے بدل گئی ایک مہینہ تک بھی اگر واپس سامان لے جاکر دیتا ہے تو بلاتامل اس کو واپس لیا جاتا ہے۔ یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا تھا جس کو انہوں نے اپنی تجارت میں اختیار کرلیا اس کے برخلاف ہمارے یہاں بورڈ لگا ہوتا ہے کہ ''خریدا ہوا مال واپس نہیں لیا جائے گا''۔ یہ بات مغرب میں رہنے والا ہر ایک جانتا ہے کہ اگر کسی نے ٹیلی فون ملایا اور اس میں غلط نمبر مل گیا تو اگر وہ شخص ٹیلی فون کمپنی کو فون کرکے کہہ دے کہ مجھ سے غلط نمبر مل گیا تو ٹیلی فون کمپنی مان لیتی ہے اور اس کے بل چارجز ختم کردیئے جاتے

تھے جبکہ بعد میں ہمارے لوگ وہاں پہنچے، انہوں نے کالیں کرنی شروع کردی اور کمپنی کو فون کرکے کہہ دیا کہ یہ رانگ نمبر مل گیا، تونتیجہ یہ ہوا کہ جو سہولت میسر تھی وہ بھی ختم ہوگئی‘‘۔ (خطبات دورۂ ہند: ۱۳۰، باختصار)

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی صفات سے عاری ہوتے جارہے ہیں اور غیر ان صفات کو اپنارہے ہیں۔ جن کی وجہ سے دنیوی دستور کے مطابق انہیں کامیابی حاصل ہورہی ہے۔ اس حقیقت کو صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے اچھے پیرایے میں بیان کیا ہے، ایک مرتبہ حضرات صحابہ ؓ آپس میں احادیث کا تذکرہ کررہے تھے حضرت مستورقریشی نے حضور ﷺ کی ایک حدیث سنائی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تقوم الساعة والروم اکثر الناس‘‘۔ قیامت کے قریب رومی (عیسائی) لوگ بہت زیادہ تعداد میں ہوں گے‘‘۔

مجلس میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اس حدیث کو سنکر چونک گئے اور کہنے لگے ’’مستور! ذرا سوچ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟‘‘۔ مستور نے کہا میں وہی کہہ رہا ہوں جسے میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فی الواقع یہ حدیث صحیح ہے کہ قیامت کے قریب عیسائیوں کی کثرت ہوگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں (جو ان کی ساری ترقی کی ضامن ہیں) (۱) وہ فتنہ وفساد کے وقت ہوش سے کام لیتے ہیں جوش میں نہیں آتے۔ (۲) وہ مصیبت اور حادثہ میں مبتلا ہوکر جلد ہی سنبھل جاتے ہیں۔ (۳) انہیں اگر میدان سے بھاگنا پڑے تو جلد تیاری کرکے دوبارہ حملہ آور ہوتے ہیں (مایوس ہوکر نہیں بیٹھتے)۔ (۴) مسکین، یتیم اور کمزوروں کے حق میں وہ بہت اچھے (مددگار) ثابت ہوتے ہیں اور پانچویں ایک اچھی صفت ان میں یہ ہے کہ وہ بادشاہوں کو مظالم سے روکنے والے ہیں۔ (مسلم شریعت: ۲/۲۹۲)

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اپنے اندر پائی جانے والی ان بیماریوں کو دور کرے جو اس کے جسم کو اندر سے کھوکھلا کررہی ہیں۔ ورنہ وہ اس طرح اقوام عالم کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتی رہے گی اور اسے جرم ضعیفی کی سزا ’’مرگِ مفاجات‘‘ کی شکل میں بھگتنا پڑے گا۔ اس وقت پورے عالم میں سب سے زیادہ اگر کسی قوم کا لہو ارزاں ہے تو وہ مسلمان ہیں، برما میں کس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا ہر شخص جانتا ہے۔ ہمارے ملک میں آسام کا سانحہ ابھی تازہ ہے۔ ان حالات کے باوجود اگر ہم ہوش کے ناخن نہ لیں تو پھر ہماری بے حسی ہمیں تباہ کرکے رکھ دے گی۔

اصلاحی مضامین

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور ہمارا طرزِ عمل

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

اللہ نے حضرت انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا تا کہ وہ خدا کے دین وشریعت پر عمل پیرا ہو اور اللہ نے آخرت میں جو ابدی کامیابی اس کے لیے مقدر فرمائی ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، لیکن ہر کامیابی کے حصول کا ایک معیار ہوتا ہے جب انسان اپنے کسب وکمال سے اس معیار کو پالیتا ہے تو اس کو وہ کامیابی مل جاتی ہے، اخروی کامیابی کے حصول کے لیے ایمان کا ہونا لازم اور ضروری ہے لیکن ایمانی کیفیت انسان کے احوال اور اذعان کے مطابق متفاوت ہوتی ہے، گویا ایمان لوگوں کے یقین کے تناسب سے مختلف درجات میں ہوتا ہے تو پھر اللہ کو کس درجے کا ایمان مطلوب ہے اور اللہ کے نزدیک ایمان کی تکمیل کا معیار کیا ہے؟ اس بابت قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا " یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی ایمانی کیفیت اللہ کے یہاں ہدایت کا معیار ہے اب غور کرنا چاہیے کہ وہ کون سا وصف خاص تھا جس کے سبب حضرات صحابہؓ کو یہ فضیلت ومقام حاصل ہوا، حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہؓ ہر عمل میں منتہاء کمال اور لائق اقتدا ہیں لیکن باعتراف جمیع کمالات صحابہؓ کی ایک مابہ الامتیاز صفت جس کی نظیر نہ سابقہ انبیاء کے اتباع وحوارین میں ملتی ہے اور نہ بعد کے کسی قلندر وشاہ کے محبین متبعین میں اس کا نمونہ ہے وہ صحابہؓ کا جذبۂ اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں کا اتباع کامل ہے، آپ علیہ السلام کی حد درجے محبت، آپ سے والہانہ تعلق اور آپ کے احکام پر عمل آوری، آپ کے اشاروں پر جانثاری میں صحابہؓ بالکل طاق اور منفرد ہیں، کوئی حکم زبان رسالت سے صادر ہو جائے یا بدون کہے محض منشأ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان کو بھنک لگ جائے تو اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہؓ جان نچھاور کرتے تھے گویا سمع وطاعت صحابہؓ کی خمیر کا حصہ تھا، اپنی خواہشات ومرضیات پر نبی کی رضا کو ترجیح دینا اور اپنے جذبات پر نبی کی منشا کو مقدم رکھنا صحابہؓ کا امتیازی وصف تھا، یہی جذبہ اطاعت اور شوق اتباع کے سبب اللہ پاک نے ان کو دنیا ہی میں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کا مژدہ سنا دیا، نہ صرف ان کو بلکہ جو کوئی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی سی اطاعت کا نمونہ پیش کرے اس کے لیے بھی رضوان خداوندی کی بشارت دی

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

گئی، چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں" وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبة: ۱۰۰) ترجمہ: اور بیشک مہاجرین اور انصار میں سے سابقینِ اولین اور دوسرے وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔

ان کے دلوں میں نبی کی عظمت اور اطاعت رسول کے باب میں ان کے وفور شوق کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ بہت کافی ہے کہ ایک ایسا شخص جو آپ کے مقابل محاذ آرا تھا اور آپ کے دشمنوں کا ایلچی بن کر آپ کے پاس آیا تھا، اصحاب محمد کو دیکھا تو اپنے رفقاء کے پاس جا کر ایک انوکھا تصور پیش کیا؛ چنانچہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے حدیبیہ کے موقع پر کفار کی جانب سے بطور سفیر آئے تھے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کے دوران جن حالات کا مشاہدہ کیا اس کا کچھ اس طرح منظر نامہ پیش کیا: " اے ابناء قریش! میں نے نجاشی کا دربار بھی دیکھا، قیصر وکسری کے دربار بھی دیکھے ہیں لیکن عقیدت واحترام اور پروانگیٔ عشق وادب کا جو منظر اب دیکھ کر آیا ہوں وہ مجھے کہیں دیکھنے کو نہیں ملا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو کرتے ہیں تو سارے مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں، کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا، وہ وضو کرتے ہیں تو ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا جاتا، سارا مجمع اس کو اپنے چہرے اور بدن پر ملنے کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے، محمد کا لعاب دہن بھی زمین پر گرنے سے پہلے عقیدت مند اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں" (بخاری واحمد)

اس ایک واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس درجے عشق تھا؛ کسی کی اطاعت وپیروی کے لیے عشق ہی اصل محرک ہوتا ہے، چنانچہ ذیل کے سطور میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کچھ ایسے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو ان کے عشق رسول کا مظہر اور اطاعت نبوی کے باب میں امت کے لیے باعث عبرت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا؛ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔'' (متفق علیہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم

میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں لینے کا قصد کرتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا: جاؤ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور (اسے فروخت کر کے ہی) نفع حاصل کر لو، اس نے کہا: خدا کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینک دیا ہو اس کو میں کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔'' (مسلم)

جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ میں شُرَحبیل بن سِمط کے ساتھ سترہ یا اٹھارہ میل کی مسافت پر ایک بستی میں گیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ذو الحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی، میں نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا میں وہی کرتا ہوں جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مسلم ونسائی)

عابس بن ربیعہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دے کر کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

حدیبیہ میں صلح نامہ مکمل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ واپسی کے لیے صحابہ کرامؓ کو جانور ذبح کرنے، حلق کروانے اور احرام اتارنے کا حکم دیا تو ان کے لیے یہ کام کسی سنگ گراں کو ہٹانے کے مترادف تھا۔ بیت اللہ دیکھنے کی جستجو لے کر آنے والے ان عشاقانِ الٰہی پر بغیر عمرہ کے جانا اس قدر دشوار گذار مرحلہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا؛ لیکن ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ سے بطور شکایت اس کا ذکر کیا تو انھوں نے صحابہ کرامؓ کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس وقت سخت صدمے سے نڈھال ہیں، ان کی جانب سے یہ معاملہ طبعی اور فطری ہے، اس کی وجہ سے آپ ان پر ناراض نہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قضیے کے حل کے لیے ایک تجویز پیش کی کہ آپ خود ان کے سامنے جانور ذبح کر کے سر منڈوائیں تو وہ بھی تعمیل حکم کے لیے تیار ہو جائیں گے؛ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا تو سب صحابہ کرامؓ نے آپ کو دیکھ کر یکلخت قربانی شروع کر دی، چاہے جذبات کس قدر گھائل ہوں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربانی کرتے دیکھا تو کسی نے قربانی میں ذرا دریغ نہ کی، اور فوراً آپ کے منشا کی تعمیل کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے اوپر ایک چادر تھی، جو کسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی، تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا اوڑھ رکھے ہو؟ مجھے اس سوال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے، گھر والوں کے پاس واپس ہوا، تو انھوں نے چولھا جلا رکھا تھا، میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی،

دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی؟ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ نہ تھا۔ (ابوداؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک قبہ (گنبددار حجرہ) دیکھا، جو اونچا بنا ہوا تھا، دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا گیا کہ فلاں انصاری نے قبہ بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے، کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہ دیا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا، اعراض فرمایا، وہ اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ وہاں موجود صحابہؓ سے تحقیق کی کہ میں آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے، راستے میں تمہارا قبہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گزر ہوا، تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعراض کا کئی روز قبل ذکر کیا تھا، ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے، انھوں نے آ کر اس کو بالکل توڑ دیا۔ (ابوداؤد)

ان واقعات کے تناظر میں ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں، ہمارے مسلم سماج کا جائزہ لیں تو صحابہؓ اور ہمارے شوق اتباع کے درمیان زمین و آسمان کا خلا اور مشرق و مغرب کا بعد نظر آئے گا، وہ سنتوں پر محض اس لیے عمل کرتے تھے کہ یہ سنت رسول ہے، اس کے برعکس ہم سنتوں کو اسی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ سنت ہی تو ہے، کس قدر ہمارے زاویہ خیال میں تغیر واقع ہوا ہے، اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ زندگی کا حقیقی چین اور روحانی سکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل پیروی ہی میں منحصر ہے، باایں وصف مسلم معاشرہ خواہ جوان ہوں یا بوڑھے اور بچے سبھی سنتوں پر عمل کرنے اور مسنون زندگی گزارنے کو رجعت پسندی اور قدامت پرستی خیال کرنے لگے ہیں، اولاً فرائض ہی کی توفیق نہیں ملتی اگر کوئی فرض نمازوں کو ادا کر بھی لیتا ہے تو سنتوں کو بالکل غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، اس پر مستزاد ہماری وضع و ہیئت، ہمارا رہن سہن، لباس و پوشاک، ہماری شادیاں وتقاریب، کھانے پینے کا طور وطریق، نظام تعلیم و تعلم بلکہ زندگی کے تمام شعبوں سے سنت رخصت ہو چکی ہے اور زندگی کے ہر مرحلے میں ہم نہ صرف اغیار کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں بلکہ ان سے بھی آگے بڑھنے کی سعی کر رہے ہیں، گویا آپ علیہ السلام کے فرمان" تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگ (یہود و نصاریٰ) کی بالشت در بالشت گز در گز پیروی کروگے" کے مکمل مصداق بنے ہوئے ہیں، نبی علیہ السلام کی ناراضگی اور غیرت کا بالکل

پاس ولحاظ نہیں ہے، حضرت حذیفہ بن یمان کا انتہائی جذبات میں ڈوب کر کہا گیا وہ تاریخ ساز جملہ "أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء" (میں ان بے وقوفوں کی خاطر میرے محبوب کی سنت کو چھوڑ دوں) کہاں، اور ہم کہاں، تھوڑا اس وقت کو بھی یاد کریں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کے سامنے تورات کی کچھ باتیں پڑھ کر سنا رہے تھے تو غیرت اور غصہ سے نبی کا چہرہ انور سرخ ہو چکا تھا اور آپ نے نہایت شدید انداز میں حضرت عمرؓ کو تنبیہ فرمائی تھی کہ اگر موسیٰ بن عمران بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی پیروی کرنا پڑتا اور ایک ہم ہیں کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کو مسخ کر کے ان کی تعلیمات کو پامال کرنے والی قوم کی پیروی کرنے کو زمانہ کے ساتھ ہم آہنگی اور ترقی گمان کر رہے ہیں، وہ لوگ کس قدر کامیاب ہیں کہ انہوں نے اپنے آوارہ کلچر کو ہمارے سماج پر کلی طور پر مسلط کر دیا اور ہم کس قدر بے توفیق ہیں کہ صحابہؓ کے ان بے مثال واقعات اور شاہکار کردار سے ذرا برابر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، گویا ہم ہی نے ان کے طور وطریقہ کو باعث عز وافتخار اور نبی کی سنتوں کی پیروی کو باعث عار سمجھ لیا ہے، ہم ہی صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین اسوہ کو چھوڑ کر یورپ وامریکہ کی گندی تہذیب کے غلام بن گئے ہیں، بقول شاعر:

غیروں کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

حضرات قارئین! یہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ نہ صرف سنتوں کا تارک بلکہ ان کے استخفاف کا مجرم ہے جس کا وبال ترک سنت سے بھی کئی گنہ زیادہ ہے بلکہ سنتوں کو عار سمجھنا اور ان کو ہلکا شمار کرنا انسان کو ایمان سے بھی خارج کر سکتا ہے، لہذا ہم کو اس معاملے میں بہت سنجیدہ ہونا چاہیے، اپنے اندر نبی علیہ السلام کی کامل عظمت کو پیدا کرنا چاہیے نیز اپنی اولاد اور ارباب خاندان کی بھی دینی ذہن سازی کرنے کے ساتھ ان کے قلوب میں اللہ اور اس کے رسول کی عظمت واحترام کو بٹھانے کی فکر کرنا چاہیے، آج عالمی سطح پر مسلمانوں کے زوال اور ان کے مظلوم ومحکوم ہونے کا ایک اہم سبب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری بے وفائی اور سنتوں کے تئیں ہمارا تغافل ہے، اگر ہم مسلمان آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے چمٹ جائیں اور سنتوں کو اپنا شعار بنالیں تو یقیناً اللہ تعالی نے جس طرح صحابہ کی کمزور جماعت کو عالمی شان وشوکت اور دنیا پر حکمرانی عطا فرمائی تھی ہمیں بھی ضرور عطا فرمائیں گے جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اصلاحی مضامین

نیوائیر نائٹ کا بڑھتا رجحان ؛ ایک لمحۂ فکر

ازقلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

مغربی تہذیب نے فکری ارتداد والحاد کا جو جال مختلف طریقوں اور نت نئے زاویوں سے بچھایا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ قوم مسلم مغربیت کے چنگل میں بری طرح پھنس گئی ہے، ہر شخص مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگا نظر آتا ہے، بات معاشرت کی ہو یا سیاست کی، اخلاق وکردار کی ہو یا طرز فکر کی آپ کو روزمرہ زندگی کے ہر معاملے میں بالعموم مشرقی افراد میں مغربی ذہنیت کارفرما نظر آئے گی حد تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو دیکھ کر معلوم نہیں کر سکتے کہ آیا یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم،قوم مسلم میں مغربی اقوام سے مشابہت اور زندگی کے قول وعمل میں مغربیت کی نقالی آج باعث فخر بن چکی ہے، بلکہ مغربی تہذیب کے علمبردار اس کو روشن خیالی اور نظریاتی آزادی کا نام دیتے ہیں۔

نیوائیر نائٹ ؛ مشابہت اغیار کی ایک بدترین قسم

نیوائیر نائٹ دراصل مغربیت سے مرعوبیت کا ایک شاخسانہ ہے اور مشابہت اغیار کی ایک بدترین قسم ہے جس کا ایک زمانہ میں مسلمانوں میں تو کجا عیسائیوں میں بھی تصور نہیں تھا نیوائیر نائٹ تقریب کی ابتداء" برطانوی نیوی" کے نوجوانوں کی طرف سے 1910 میں ہوئی۔

نیوائیر نائٹ اور یہود ونصاریٰ کا طرز عمل

مغربی اقوام نئے سال کے جشن کے نام پر نیوائیر نائٹ منعقد کرتے ہیں، رنگ برنگی لائٹوں اور قمقموں سے شہروں اور علاقوں کو سجاتے ہیں، آتش بازی،شراب نوشی اور شباب پرستی کے مکمل انتظامات کرتے ہیں، کیک کاٹتے ہیں،HAPPY NEW YEAR کہہ کر مبارکبادی دیتے ہیں،مغربی ممالک میں نائٹ کلبوں میں مردوزن کا بے حیائی سے اختلاط ہوتا ہے،صرف ایک رات میں کروڑہا روپے شراب وشباب اور سامان تعیش میں صرف کردیئے جاتے ہیں، اگر یہ لعنت صرف مغربی اقوام اور مغربی ممالک تک ہی محدود رہتی تو کوئی بات نہ تھی لیکن شراب وشباب، زن اور زر نے اس بدترین تہوار کو بڑھاوادیا اور اس لعنت نے اہل مشرق اور مسلم معاشرہ پر

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

بھی اپنے مضر اثرات ڈالے آج برصغیر پاک وہند میں بھی یہ لعنت کالج کے آزاد مزاج نوجوانوں اور دوشیزاؤں کو بری طرح اپنی جکڑ میں لے چکی ہے، موجودہ دور میں ہمارے نوجوان مغربی تہذیب کی نقالی کرتے ہوئے 31 ڈسمبر کی شب ''نیو ائیر نائٹ'' مناتے ہیں، گرل فرینڈ اور بوئے فرینڈ کے حیا سوز عنوان کے ساتھ بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں، سڑکوں پر برقعہ پوش بچیاں اپنے عاشقوں کے ساتھ گھومتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں افسوس

نام کل تک تھا جن کا حیاداروں میں
آج وہ منہ کھولے ہوئے پھرتی ہیں بازاروں میں

اس کے علاوہ دین بیزار روشن خیال نوجوان طبقہ نائٹ کلبوں میں جانے اور بے حیا کاموں کے انجام دینے میں ذرا عار محسوس نہیں کرتا!

وائے نادانی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

کیا وہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، جو قرآن کی ابدیت وصداقت اور اس کی لاثانیت کا قائل ہو، جو تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کو ہر دور اور ہر زمانے کے قابل سمجھتا ہو، جو اسلام کے مکمل دین اور مستقل تہذیب ہونے کو جانتا ہو اور جو اپنے آپ کو بقول علامہ اقبال" مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند" سمجھتا ہو، تو پھر کیوں کر وہ مغربیت سے مرعوب ہوسکتا ہے؟ کیوں کر وہ اپنی اقدار و روایات کو ترک کرکے Happy new year, منا سکتا ہے؟ مشابہت اغیار اور یہود ونصاریٰ کی نقالی کرتے ہوئے نئے سال کا جشن کیسے انجام دے سکتا ہے؟ مدرز ڈے، فادرز ڈے، ویلنٹائن ڈے، چلڈرنز ڈے اور ٹیچرس ڈے وغیرہ کے نام پر کیوں اپنی تہذیب سے منہ موڑ کر مغربی تہذیب کو گلے لگاتا ہے؟

وجوہات وعوامل

دراصل اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آج قوم مسلم فکری انتشار اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ نہ تو اسے اپنی زندگی کے نصب العین کا پتا ہے اور نہ ہی اپنی حیثیت کا شعور ہے۔ وہ دینِ اسلام سے رسمی نسبت ہی کو فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھ کر مطمئن ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب سامانِ تعیش زیادہ فراہم کرکے صرف لطف اندوزی اور دولت سازی کو ہی مقصدِ زندگی بنادیا ہے، مختصر الفاظ میں آج کی نئی نسل مادیت کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہے اور روحانیت سے اسے دور دور تک کوئی سروکار نہیں، گویا کہ

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گل گوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند

اسلام کامل دین اور مستقل تہذیب

جبکہ فی الواقع اسلام کے اندر بڑی کشش موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام ابدی وآفاقی تعلیمات اور اقدار کا قائل ہے، احکام خداوندی اور تعلیمات نبوی کے ساتھ معاشرتی اقدار کو بھی بنیادی مقام عطا کرتا ہے، جس کی اپنی تہذیب اور اپنا کلچر ہے، جس کا کامل اور مکمل دین ہے جو مشابہتِ اغیار کو رَوا نہیں سمجھتا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں سے فرمایا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۲۰۸

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ جو پہلے علماء یہود میں سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا روز معظم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا ان صاحبوں کو بعد اسلام کے یہ خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدی میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدی میں اس کا کھانا فرض نہیں سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہوجاوے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس خیال کی اصلاح آیت آئندہ میں کسی قدر اہتمام سے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا اس وقت ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کا عذاب زیادہ سخت ہونے کا خطرہ ہے۔

اس اقتباس کو بار بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ مشابہتِ اغیار اور کافروں کی نقالی کو اسلام کس قدر مذموم سمجھتا ہے، قرآن مجید کی کئی آیات اور بکثرت احادیث مبارکہ اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں:

ایک حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ" قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ، الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ "فَمَنْ"؟ (صحیح البخاری:3456، الأنبیاء صحیح مسلم:2669، العلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں کی ضرور پیروی کروگے، بالشت بالشت کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر، حتی کہ اگر وہ لوگ گوہ [گھوڑ پوڑ] کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم لوگ بھی ان کی پیروی کروگے، حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد ہم لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا [پہلی قوموں سے مراد] یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اور کون؟۔

اللہ اکبر! حیرت ہے کہ علامت قیامت میں نبی رحمت ﷺ نے جو پیشن گوئی فرمائی تھی آج وہ آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہے، علم ہوگا لیکن عمل سے دور رہیں گے، عقل ہوگی مگر خواہشات نفسانی کے تابع ہوگی، آج علوم کی کمی نہیں سائنس وٹیکنالوجی کی رفتار اور عقلوں کی تیزی کو تو پوچھنا ہی کیا لیکن مشابہت اغیار کی لعنت تم میں اس قدر سرایت کر جائے گی تم نہ اپنی عقل سے فیصلہ کر پاؤ گے اور نہ ہی علم سے نفسانی تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے اگر یہود ونصاریٰ گوہ کی سراخ میں داخل ہوجائیں گے تو تم بھی داخل ہوجاؤ گے، عقل اور انسانی شرافت کے خلاف بھی یہود ونصاریٰ اگر کوئی کام کرتے ہیں تو تم بھی انہیں کی پیروی کروگے تمہاری عقل اور تمہاری سوچ تمہیں فائدہ نہیں دے گی۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کیا بالکل وہی وقت سے ہم نہیں گزر رہے ہیں جس کی نبی رحمت ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی۔

آج امت کا وہ طبقہ جو خود کو تعلیم یافتہ، مہذب اور دیندار تصور کرتا ہے بالخصوص مغربیت کے جال میں پھنس چکا ہے یاد رکھیں کہ

نیوائیر نائٹ منانا قرآن وسنت اور شریعت اسلامیہ کے ہی نہیں بل کہ مشرقی اقدار اور پاکیزہ معاشرہ کے بھی خلاف ہے۔

نیوائیر نائٹ اغیار (کافروں، فاسقوں، فاجروں اور یہود ونصاریٰ) سے مشابہت ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ نیوائیر نائٹ بے حیائی عریانیت اور اخلاق سوز کاموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مسلمانو! خدارا اپنے معاشرہ کی حفاظت کیجیے، اپنی اولاد کی عصمت وعفت کو تقدس فراہم کیجیے، اسلامی تہذیب وتمدن سے ہم آہنگ کیجیے، اور مغربیت کے طوفان بلا خیز کا سامنا ایمان محکم، عمل پیہم اور یقین کامل سے کیجیے

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اصلاحی مضامین

زبان جام محبت بھی اور زہرِ قاتل بھی

بہ قلم: مولانا محمد عمر نظام آبادی قاسمی*

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ انسانی جسم نعمتوں سے بھری ایک کائنات ہے، جس میں ہر عضو قدرتِ خداوندی اور نعمتِ الٰہی کا ایک عظیم شاہکار اور کھلا نمونہ ہے، منجملہ اعضاء میں ایک "زبان" بھی ہے، یہ قوتِ گویائی کا ایسا ایک انعام ہے جس کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کو ادا کر کے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے؛ لیکن زبان ایک ایسا پل بھی ہے جس کے ذریعے الفت ومحبت کی فضا قائم کی جاسکتی ہے اور انسانوں کے دلوں کو جیت کر اجنبیت کو انسیت میں بدلا جاسکتا ہے اور وہیں دوسری طرف زبان کے ذریعے نفرت وعداوت کی دیواریں کھڑی کر کے رشتے داریوں اور خاندانوں میں فاصلے اور دراڑ پیدا کی جاسکتی ہے؛ گویا زبان دودھاری تلوار ہے؛ کیوں کہ زبان جامِ محبت بھی ہے اور زہرِ نفرت بھی؛ جیسا کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے:

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

کسی اردو شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا
لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

زبان کی حفاظت سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی احادیث میں مختلف انداز میں زبان سے سرزد ہونے والی خطاؤں پر تنبیہ کی اور اسی کے ساتھ ساتھ زبان کی حفاظت اور اس کو قابو میں رکھنے پر جنت کی ضمانت و بشارت سنائی؛ چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنی باتوں کے سلسلے میں بھی مواخذہ کئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خدا تیرا بھلا کرے، لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈلوانے والی چیزیں زبان کی کھیتی کے علاوہ اور کیا ہوتی ہیں۔" (ترمذی: ٢٦١٦) یعنی جہنم میں جانے کا زیادہ تر سبب

* فاضل دارالعلوم دیوبند

وہ گناہ ہے جن کا زبان سے تعلق ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے آگے منت کرتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہ، اس لیے کہ اگر تو صحیح رہی تو ہم سب صحیح رہیں گے اگر تو بگڑ گئی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔" (ترمذی: ۲٤٠٧) معلوم ہوا کہ جسم کے دیگر اعضاء کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بھی اکثر زبان بنتی ہے، اسی لیے مارے خوف کے تمام اعضاء اس کے ہاتھ جوڑتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے اکثر گناہ زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔" (شعب الایمان: ٤/ ٢٤٠)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: "آدمی کے اسلام کا حسن و جمال اور اس کی خوبی لایعنی (کام اور کلام) کا ترک کر دینا ہے۔" (مؤطا: ۲/ ۹۰۳)

ایک اور حدیث میں ہے: "جس نے زبان کو قابو میں رکھا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔" (الجامع لشعب الایمان: ۷۹۵۹)

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دخولِ جنت کی ضمانت لیتے ہوئے فرمایا: "جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔ (بخاری: ٦٨٠٧)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ اکثر خاموش رہتے تھے اور جب بولنے کی ضرورت ہوتی تو بہت ہی جامع اور مختصر گفتگو فرماتے تھے۔

زبان کی حفاظت اسلافِ اُمت کی نظر میں

سیدنا داؤد علیہ السلام فرماتے تھے: "اگر بولنا چاندی ہے تو چپ رہنا سونا ہے"۔ (احیاء العلوم: ۳/ ۱۷۸)

حضرت حکیم لقمانؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے مرتبے تک کیسے پہنچے؟ فرمایا: "سچ بولنے اور فضول باتوں سے بچنے کی برکت سے پہنچا ہوں"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ لایعنی سے بچنے کے لئے منہ میں کنکریاں ڈال رکھتے تھے۔ (احیاء العلوم: ۳/ ۱۷۹)

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ "جو بہت بولتا ہے وہ بہت غلطیاں کرتا ہے، جو بہت غلطیاں کرتا ہے اس سے کثرت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور جو بہ کثرت گناہ کرتا ہے اس کے لئے جہنم ہی زیادہ مناسب ہے"۔ (فیض القدیر: ٦/ ٢٨٣)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے: ”جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرسکتا وہ اپنے دین کی حفاظت نہیں کرسکتا“۔(احیاء العلوم: ۳/ ۱۷۹)

زبان سے سرزد ہونے والے گناہ!

زبان سے واقع ہونے والے بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کی طرف عام طور پر ذہن کی رسائی یا دھیان نہیں جاتا کہ وہ گناہ ہیں؛ حالانکہ ان سے بچنا بے حد ضروری ہوتا ہے؛ کیوں کہ ان سے صرف ایک گناہ بھی آدمی کو جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص چاہتا ہے کہ (آفات و بلایا سے) محفوظ رہے تو اسے چاہیے کہ خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلے“۔(فیض القدیر: ٦/ ٨٧٤) لہٰذا بہت احتیاط اور نگرانی کی ضرورت ہے۔

عام طور پر زبان سے سرزد ہونے والے گناہوں میں اپنی بڑائی جتلانا دوسروں کا مذاق اُڑانا، کسی کو ذلیل ورسوا کرنا، فحش گوئی، سب وشتم، بدکلامی، غیبت، جھوٹ بولنا اور جھوٹے الزام لگانا اور بہتان لگانا، کلمۂ کفر کہنا، طعن وتشنیع، استہزاء کرنا، مباحثہ ومناقشہ کرنا، جھگڑا تکرار کرنا، راز افشاء کرنا، چغل خوری اور دوغلا پن کرنا، پرتکلف اور بناوٹی باتیں کرنا، جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹا وعدہ کرنا، گانے گانا اور بُری شاعری کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

ہمارا حال

ہائے ہائے ہماری کم بختی! آج ہماری صورت حال انتہائی ناگفتہ بہ ہے، زندگیوں کا چین وسکون غارت ہو چکا ہے، الفت ومحبت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی، آپس میں نفرت وعداوت کی دیواریں کھڑی ہو چکی ہے، آپسی تعلقات اور رشتے داریوں کا خون ہونے لگا، رنجشیں اور اَن بَن کا ماحول ہر سو نظر آرہا ہے، ان سب کا بنیادی سبب زبان کی تلخیاں اور لغزشیں ہیں؛ کیوں کہ حال یہ ہے کہ نہ جھوٹ کے بغیر کاروبار چل رہا ہے نہ غیبت سے خالی کوئی محفل ہو رہی ہے، کسی ایک جگہ بیٹھ کر بے دریغ کسی کی عصمتوں کو پامال کردیا جاتا ہے تو کسی کا تمسخر اور استہزاء کرنے سے ڈر تک نہیں لگتا، کسی کی دل شکنی کی پرواہ ہی نہیں ہوتی، گفتگو کا سلیقہ تک نہیں ہوتا ہے دشنام طرازی تو تکیہ کلام بن چکا ہے، اور ذکرِ الٰہی اور درودِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گویا کوئی سروکار ہی نہیں؛ ایسا لگتا ہے اسی وجہ سے نہ رزق میں برکت ہوتی ہے اور نہ گھر میں چین وسکون؛ الغرض یہ سب زبان کے بے قابو ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ زبان کی ایک لغزش عمر بھر کی کمائی پر پانی پھیر دیتی ہے؛ لہٰذا اس مہلک مرض سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

زبان کے گناہوں سے چھٹکارے کا علاج اور حل

اب سوال یہ ہے کہ زبان کی خطاؤں سے کس طرح بچا جائے، ایذاء رسانی سے کیسے محفوظ رہے تو اس کے لئے چند ایک تراکیب ہیں جن کو اپنانے سے ان شاء اللہ اس مرض سے نجات مل سکتی ہے؛ چنانچہ

(۱) وقت نکال کر صحبتِ صالحین اور نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے کا اہتمام کریں۔

(۲) بازارِ دنیا میں رہتے ہوئے بازارِ آخرت سے غافل نہ ہو۔

(۳) گھر میں یا دکان اور آفس میں اپنے بیٹھنے کی جگہ قرآن کریم کی آیت "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ" کا ترجمہ لکھ کر لگائے اپنے سامنے رکھیں؛ تاکہ اس پر نظر پڑتی رہے اور زبان کے گناہوں سے احتیاط ہوتی رہے۔

(٤) اور اپنے طور پر یہ کوشش کریں کہ زبان کا کوئی گناہ ہم سرزد نہ ہونے پائے اور اور غلطی سے ہو جائے تو اس کے بدلے میں اتنے اتنے پیسے صدقہ کرنے کا اپنے آپ سے معاہدہ کرلیں۔

(٥) دن کے اول اور آخر میں اللہ سے خوب دعائیں کریں کہ اللہ اس مرض سے نجات دے۔

(٦) اور روزانہ سونے سے قبل اپنے دن بھر کی باتوں پر ایک نظر ڈالیں اور ان سے توبہ کرے، آئندہ نہ کرنے اور احتیاط کرنے کا عہد کریں۔

خلاصۂ تحریر:

"زبان" اللہ ربّ العزّت کی عظیم نعمت ہے، اب آدمی کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کا صحیح استعمال کر کے جنت کا مستحق بن جائے؛ ورنہ جہنم کو اپنا جائے قرار بنالیں، بس تھوڑے سے احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اگر آدمی اس موقع پر صبر کا دامن تھام لے اور خاموشی کو اپنے لبوں کی زینت بنالیں تو پھر ضرور بالضرور کامیابی مقدر ہوگی، عزت وظفریابی ہاتھ آئے گی، خلاصہ یہ کہ آدمی ذرا تصور کریں کہ جب ہمارا نامہ اعمال کھلا ہوا ہے اور فرشتے ہر بول لکھنے کے لیے کسی دشمن کی طرح تاک میں ہیں تو کیسے ہم بے ضرورت یا ضرورت سے زائد باتوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں؟ کاش کہ ہم غفلت سے باز آجائیں!

پروردگارِ عالم ہمیں اپنی زبانوں کو قابو میں رکھنے اور اس کا صحیح استعمال کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اصلاحی مضامین

ختم نبوت پر ہمارا ایمان کیسا ہو؟

از: مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات اور خصوصیات میں سب سے اہم اور بنیادی صفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ ختم نبوت ہے، اس صفت کی بنیاد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا ضروری ہے، اسلام میں داخل ہونے اور اُس سے وابستہ رہنے کے لئے اس صفت کو ماننا ضروری ہے، اس صفت پر ایمان رکھنے کا نام ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' ہے، اس عقیدہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں پیشِ خدمت ہیں:

عقیدۂ ختم نبوت کی تعریف اور اُس کا مفہوم:

۱) جیسے اللہ تعالیٰ کو اکیلا اور یکتا تسلیم کرنے کو ''عقیدۂ توحید'' کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور گذشتہ تمام انبیاء پر ایمان لانے کو ''عقیدۂ رسالت'' کہتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو ''عقیدۂ آخرت'' کہتے ہیں ___ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی اور رسول ماننے کے ساتھ آخری نبی تسلیم کرنے کو ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' کہتے ہیں۔

۲) ختم نبوت (یعنی آخری نبی ہونا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امتیازی خصوصیت اور بنیادی صفت ہے، اس صفت کو تسلیم کیے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت کی گواہی واقرار کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کو ایک وحدہٗ لاشریک مانے بغیر اُس کی خدائی پر ایمان لانے کا دعویٰ سراسر غلط اور جھوٹ ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ''آخری نبی'' مانے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی اور پیغمبر تسلیم کرنے کا دعویٰ بالکلیہ جھوٹ اور ناقابل قبول ہے۔

۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آخری نبی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اب تا قیامت ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ''نبوت محمدی'' ہی کا سکہ چلے گا، اب جتنے انسان ہیں اور قیامت کی صبح تک جتنے انسان پیدا ہوں گے، سب کو ایمان کی دولت آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت کی گواہی دینے سے ملے گی اور آخرت میں اسی کی بنیاد پر ان کی نجات وکامیابی ہوگی۔

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

انبیاء کرام کے لئے مخصوص امتیازات وکمالات کا اختتام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمام امتیازات بھی ختم ہوگئے جو نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے وقت کے ہر پیغمبر کے لئے خاص تھے مثلاً:

الف: معصوم عن المعصیۃ ہونا: یعنی گناہ کرنے سے بالکل معصوم ہونا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور گذشتہ تمام انبیاء کرام کو گناہوں کے سرزد ہونے سے خاص طور پر محفوظ رکھا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی ذات اور شخصیت گناہوں سے معصوم نہیں ہوگی اور نہ کسی امام اور پیشوا کے بارے میں گناہوں سے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا درست ہے۔

ب: مفترض الطاعۃ ہونا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور گذشتہ تمام انبیاء کرام کی اتباع وپیروی اور اطاعت و فرمانبرداری فرض اور واجب تھی، اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی کی حیثیت ''مفترض الطاعۃ'' کی نہیں ہوگی، کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا صحیح نہیں ہوگا کہ ہر حال میں اُس کی اطاعت کرنا اور اُس کی باتوں پر چلنا ضروری ولازم ہے۔

ج: نزول وحی کا ہونا: نبی اور وحی دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے آسمانی خبروں اور غیب کی باتوں کا معلوم ہونا، یہ صرف نبیوں اور پیغمبروں کے لیے خاص ہے، نبی ہوں گے تو وحی کا نزول بھی ہوگا، نبی نہ ہوں گے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ غیب کی باتوں اور آسمانی خبروں کا علم بھی کسی کو نہ ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد چوں کہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا، اس لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اب دنیا میں کسی پر آسمان سے وحی بھی نازل نہیں ہوگی، اگر کوئی شخص اپنے اوپر نزولِ وحی کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ سراسر باطل ہے، یہ دعویٰ کرنے والا خود بھی گمراہ اور کافر ہے، اس کے دعویٰ کو قبول کرنے والوں کا حکم بھی یہی ہے۔

د: آسمانی والہامی کتاب کا حامل ہونا: اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام پر آسمانی کتابیں بھی نازل فرمائی، جیسے توراۃ، زبور، انجیل، اور قرآن مجید وغیرہ، ہر نبی وپیغمبر کا صاحبِ کتاب اور صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں، لیکن جنہیں بھی کتاب اور شریعت دی گئی وہ نبی اور رسول ہی تھے، غیر نبی ورسول کو کوئی آسمانی کتاب نہیں دی گئی، معلوم ہوا کہ آسمانی کتاب کا حامل ہونا انبیاء کرام کی خصوصیات میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد چوں کہ رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا، اس لئے تا قیامت کوئی اس خصوصیت کا حامل نہیں ہوگا، جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کردہ آسمانی کتاب قرآن مجید بھی آخری آسمانی کتاب ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی نبی اور پیغمبر ماننے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح قرآن مجید کے بعد کسی کتاب کے بارے میں ''آسمانی کتاب'' ہونے یا ''وحی مقدس'' ہونے کا نظریہ اور عقیدہ رکھنا بھی درست نہیں ہے۔

ہ: معجزات کا ظہور: دنیا کے عام دستور اور نظامِ اسباب کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی بات اگر کسی نبی اور پیغمبر کے ہاتھوں پیش آئے تو اُس کو ''معجزہ'' کہتے ہیں، اور اگر ایسی بات اللہ کے کسی نیک بندہ اور ولی کے ہاتھوں پیش آئے تو اُس کو ''کرامت'' کہتے ہیں اور اگر کسی شعبدہ باز فاسق وفاجر ایسی باتوں کا مظاہرہ کرے تو وہ ''جادو'' اور ''نظر بندی'' ہے، نیک لوگ اور بُرے لوگ تو دنیا میں قیامت تک رہیں گے، اس لئے اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور ہوتا رہے گا اور بُرے لوگ بھی اپنی جادوگری کا مظاہرہ کرتے رہیں گے، لیکن چوں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا میں نبیوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہوگیا، اس لئے اب خلافِ عادت پیش آنے والے واقعات کو ''کرامات'' تو کہا جائے گا، لیکن ''معجزہ'' نہیں کہیں گے، اس لئے کہ معجزہ صرف نبیوں کے لئے خاص ہے، اگر کوئی شخص اپنے ذریعہ معجزات کے ظہور کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ دعویٰ سراسر غلط اور باطل ہے، ایسا شخص درپردہ نبی اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

ز: صحابی کا لقب: جن خوش نصیب اور سعادت مند افراد کو بحالت ایمان وقت کے نبی وپیغمبر کا دیدار اور ملاقات نصیب ہوئی، انھیں ''صحابی'' کہتے ہیں، یہ لقب صرف نبیوں کے باایمان ساتھیوں کے لئے خاص ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تا قیامت کسی کو نبوت وپیغمبری ملنے والی نہیں، اس لئے اب کسی کی یہ حیثیت نہیں کہ اُس کے فیضِ صحبت سے دوسرے لوگ ''صحابیت'' کا شرف پا سکیں۔

ی: ام المؤمنین کا لقب: ہر نبی وپیغمبر کی زوجۂ مطہرہ اُس نبی کی امت کے لئے ''روحانی ماں'' کا درجہ رکھتی ہیں اور انھیں ''ام المؤمنین'' کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات مسلمانوں کے لئے ''روحانی ماں'' کا درجہ رکھتی ہیں، مسلمان انھیں ''امہات المؤمنین'' مانتے ہیں، ان کی عظمت واحترام کا خاص مقام یہ ہے کہ وقت کے نبی وپیغمبر کے وصال کے بعد کوئی دوسرا شخص ان سے نکاح نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی وجہ سے جیسے دیگر پیغمبرانہ امتیازات اور انبیائی خصوصیات ختم ہوگئیں، اسی طرح یہ خصوصیت اور فضلیت بھی ختم ہوگئی، اس لئے اب دنیا میں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو ''ام المؤمنین'' کہے اور نہ دوسروں کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں کی بیویوں کو ''ام المؤمنین'' کا نام اور مقام دیں۔

نبوت کی من گھڑت اقسام:

دنیا میں صرف دو طرح کے نبی اور پیغمبر آئے، ایک وہ جنہیں کتاب وشریعت دی گئی، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو ''زبور''، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''توراۃ''، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''انجیل'' اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''قرآن مجید''

ان انبیاء کرام کو نبی کے ساتھ ساتھ ''رسول'' بھی کہتے ہیں، دوسرے وہ پیغمبر جن پر کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں ہوئی، انھیں الگ سے کوئی نئی کتاب اور نئی شریعت نہیں دی گئی، بلکہ وہ اپنے سے پہلے رسولوں کی شریعت ہی کے پابند اور پیروکار رہتے، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ، ان انبیاء کرام کو صرف ''نبی'' کہتے ہیں، پہلی قسم کی نبوت کو اصطلاح میں ''تشریعی نبوت'' اور دوسری قسم کی نبوت کو ''غیر تشریعی نبوت'' کہتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب دنیا میں کسی کو نہ تشریعی نبوت ملے گی اور نہ غیر تشریعی نبوت، نبوت و پیغمبری کی ان دو قسموں کے علاوہ نبوت کی کوئی تیسری قسم اسلام میں نہیں ہے، جو لوگ نبوت کی دوسری اقسام بیان کرتے ہیں، مثلاً ظلی نبوت، بروزی نبوت، امتی نبی، تابع نبی وغیرہ، یہ سب قسمیں خود ساختہ اور من گھڑت ہیں، گمراہی کی ان باتوں کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ''تشریعی نبوت'' کا مطلب ''جدید شریعت کے حامل پیغمبر'' اور ''غیر تشریعی نبوت'' کا مطلب ''پہلے سے موجود شریعت کے حامل پیغمبر'' اس لئے شریعت اور نبوت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے، نبوت کے بغیر شریعت کا تصور نہیں اور شریعت کے بغیر نبوت کوئی معنیٰ نہیں رکھتی، پہلی قسم کی شریعت کے حامل پیغمبر کو ''نبی'' کے ساتھ ''رسول'' بھی کہتے ہیں اور دوسری قسم کی شریعت کے حامل پیغمبر کو صرف ''نبی'' کہتے ہیں، قادیانی فرقہ کے یہاں ''غیر تشریعی نبوت'' کے عنوان سے نبوت کی جو تقسیم جس معنی و مفہوم میں کی گئی، اسلام میں نبوت کی ایسی تقسیم کا کوئی وجود اور تصور ہی نہیں ہے۔

(مفہوم و خلاصہ عبارت کتاب ''ختم نبوت کامل'' ص:69 حاشیہ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ)

منصبِ نبوت وہبی ہے نہ کہ کسبی:

نبوت و رسالت کا منصب خالص اللہ تعالیٰ کا انعام و عطیہ ہے، کوئی شخص خود سے نبی اور پیغمبر نہ بنا ہے اور نہ آئندہ قیامت تک بن سکتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مرضی سے جس کو چاہتے ہیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ'' (الانعام:124) اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو وہ اپنا رسول بناتے ہیں۔''

اس بات کو خاص مذہبی اصطلاح میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ''نبوت و پیغمبری وہبی ہے کسبی نہیں ہے'' کسبی کا معنی یہ کہ آدمی اپنی عبادت و ریاضت، اتباع و پیروی، اور دعا و مناجات کے ذریعہ نبوت کا عہدہ و منصب نہیں پاسکتا، نبوت کے حصول میں آدمی کے عمل، اُس کی عقل، اُس کی صلاحیت و اہلیت اور نیکی و شرافت کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، مطلب یہ کہ ہر نبی و پیغمبر نیکی و شرافت اور تقویٰ و طہارت کے انتہائی اعلیٰ معیار پر ہوتا ہے،

لیکن ہر متقی اور شریف آدمی کا نبی و پیغمبر ہونا ضروری نہیں ۔

نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ، ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف نہیں:

قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان سے تشریف آوری (نازل ہونا) عقیدۂ ختم نبوت کے منافی اور مخالف نہیں ہے، نزول عیسیٰ کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے عقیدۂ ختمِ نبوت میں کوئی بگاڑ اور فساد لازم نہیں آتا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبوت ورسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوگا، کسی کو نبوت و پیغمبری نہیں ملے گی، کوئی نبی نہیں بنے گا، رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ، آپ علیہ السلام کو تو نبوت ورسالت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی مل چکی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت ورسالت کے وصف سے متصف ہو چکے ہیں، پس سوال یہاں نبوت ورسالت کے ملنے کا ہے نہ کہ کسی نبی و پیغمبر کی آمد کا، اس لئے مفسرین نے آیت ''خاتم النبیین'' میں اس کی وضاحت فرمائی ہے: مشہور مفسرِ قرآن شیخ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰/۱۲۱۷ھ) لکھتے ہیں:

ترجمہ: عقیدۂ ختمِ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق عقیدہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے، جس پر امت مسلمہ نے اجماع کیا ہے، اور جس کے بارے میں احادیث بہت ہی مشہور ہیں، شاید یہ احادیث ''تواتر معنوی'' کے درجہ کو پہونچی ہوئی ہوں، ایک قول کے مطابق قرآن مجید میں اس عقیدہ کی صراحت موجود ہے، جس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اس عقیدہ کے انکار کرنے والے کو کافر سمجھا گیا، جیسے فلاسفہ، قیامت کے قریب آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت رسالت کے بند ہونے کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عالم میں منصب نبوت سے سرفراز کیئے جانے سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت ورسالت کے وصف سے متصف ہو چکے تھے۔

ایک دوسرے مائیہ ناز مفسر علامہ زمخشریؒ (۴۶۷ھ۔۵۴۵ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''(قادیانیوں کی طرح) اگر کوئی یہ کہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی کس طرح ہو سکتے ہیں، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نبی بنایا جا چکا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد شریعت محمدی کی پیروی کریں گے، کعبۃ اللہ کی طرف رُخ

کر کے نماز پڑھیں گے گویا آپ علیہ السلام بھی امتِ محمدیہ میں سے ہے۔

(تفسیر کشاف:3/553 الاحزاب:40)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک قول کی وضاحت:

قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر میں جہاں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ''خاتم النبیین'' کا لفظ آیا ہے، اُس کا معنی ''آخری نبی'' کے ہیں، اس لفظ کی تشریح خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''لا نبی بعدی'' کے جملہ سے فرمائی ہے کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے'' کتاب وسنت سے ثابت ''خاتم النبیین'' کے اس واضح اور صریح مفہوم کے خلاف قادیانی گروہ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ایک قول پیش کیا جاتا ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''قولوا خاتم النبیین و لا تقولوا لا نبی بعدہٗ''

''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہو اور یہ مت کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے''

(حوالہ: مکمل تبلیغی پاکٹ بک، ص:492، ص:527، مصنفہ ملک عبدالرحمن خادم قادیانی، مطبوعہ: ڈسمبر ۱۹۴۵ء)

حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب اس قول کا معنی ومفہوم قادیانی فرقہ کی طرف سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''خاتم النبیین'' کا مطلب ''آخری نبی'' کے نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی نبی اور پیغمبر ہو سکتے ہیں، اسی لئے حضرت عائشہؓ ''لا نبی بعدہٗ'' کہنے سے منع فرما رہی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب اس قول سے متعلق چند امور قابل توجہ ہیں:

الف: قادیانیوں نے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب یہ قول صوبۂ گجرات کے مشہور اور بلند پایۂ محدث علامہ طاہر پٹنی (۹۱۴ھ/۹۸۶ھ) کی کتاب ''تکملہ مجمع بحار الانوار ج:۳ ص:۸۵ سے نقل کیا ہے، یہ قول بہت ہی کمزور اور ضعیف سند کے ساتھ حدیث کی کتاب ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں موجود ہے، دیکھئے: (باب من کرہ ان یقول لا نبی بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الادب، حدیث نمبر:27186 ج:13، ص:566)۔

اس کتاب میں مذکور اِس قول کی سند دو طرح کی ہے، کتاب کے قدیم نسخوں میں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب قول کی سند میں حضرت جریر بن حازم اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کوئی راوی نہیں ہے، یعنی یہ بتایا گیا کہ حضرت جریر بن حازم نے براہ راست حضرت عائشہؓ سے اُن کے اس قول کو سنا ہے، جب کہ یہ حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف ہے، اس لئے کہ حضرت جریر بن حازم کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات اور سماعت تو بہت دور کی بات وہ آپؓ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی جب کہ حضرت جریر بن حازم ۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب کے نئے اور ایڈٹ شدہ نسخوں میں اس قول کی سند میں حضرت جریر بن حازمؒ کے بعد مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرینؒ کے نام کا اضافہ ہے، یعنی یہ بتایا گیا کہ حضرت محمد بن سیرین نے حضرت عائشہؓ سے اس قول کو سنا ہے، لیکن یہ بھی خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ محدثین کی تحقیق کے مطابق حضرت محمد بن سیرینؒ نے حضرت عائشہؓ کا زمانہ تو پایا ہے، لیکن آپؓ سے اُن کی ملاقات اور سماعت ثابت نہیں ہے، چنانچہ مشہور محدث یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) لکھتے ہیں: ''ابن سیرین لم یسمع عن عائشة شیئاً'' (تاریخ ابن معین، ج:1، ص:127)

حضرت عائشہؓ سے منسوب قول کی سند کی اس حقیقت کی وجہ سے محدثین نے اس کو ''منقطع'' قرار دیا ہے اور جس قول کا سلسلۂ سند منقطع ہو تو وہ ضعیف احادیث میں شمار ہوتا ہے، ضعیف احادیث عقائد کے باب میں نا قابل استدلال ہے، بالخصوص ایسے موقع پر جب کہ ''لا نبی بعدی'' کے الفاظ صحیح سند کے ساتھ صریح اور مرفوع احادیث میں موجود ہیں، ایسے موقع پر منقطع سند کے ساتھ منقول حضرت عائشہؓ کے اس قول کو دلیل بنانا بالکلیہ طور پر غلط ہے۔

ب : فن حدیث کے محققین اور دین وشریعت کے ماہرین کے یہاں یہ بھی ضابطہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابیؓ سے ثابت شدہ کسی بات میں بظاہر کوئی تعارض یا تضاد معلوم ہو تو ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی بات ہی قابل ترجیح ہوگی اور صحابیؓ کی بات کی تاویل کی جائے گی۔

حضرت عائشہؓ کے قول میں اگر سند کی کمزوری کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک جلیل القدر صحابیہ اور آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ کا قول ہے، لیکن آپؓ سے زیادہ بلند مقام و مرتبہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا ہے، جب آپ ﷺ خود اپنے بارے میں ایک سے زائد مرتبہ ''لا نبی بعدی'' کے الفاظ فرما رہے ہیں تو یقینی اور قطعی طور پر آں حضرت ﷺ کی بات ہی قابل ترجیح ہوگی۔

ج : دین کے مسلمہ حقائق کو بیان کرنے میں مخاطب کی ذہنی سطح اور اُس کے فکری معیار کو بھی بعض مرتبہ پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ اپنی کم علمی اور ناسمجھی کی وجہ سے مخاطب بعض دفعہ دین کے مسلمہ حقائق کا انکار کر بیٹھتا ہے، حضرت عائشہؓ کے قول کو بھی اسی پس منظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہیے، آپؓ کے اس قول کا مقصد و منشا قادیانی فرقہ کی طرح ہرگز یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور کو بھی نبی اور پیغمبر ماننے اور اُس پر ایمان لانے کی گنجائش باقی رکھی جائے، بل کہ آپؓ کے اس قول کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ دین کے ایک مسلمہ اور ضروری عقیدہ ''عقیدۂ نزول عیسیٰ'' کے بارے میں عام لوگوں کو گمراہی اور غلط فہمی سے بچایا جائے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، خود حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

''اے عائشہؓ: اگر تیری قوم نئی نئی اسلام میں داخل نہیں ہوئی ہوتی تو میں (حضرت ابراہیم کی تعمیر کردہ) کعبۃ اللہ (کی عمارت) میں تبدیل کرتے ہوئے اُس کے دو دروازے بنا دیتا، ایک دروازہ سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے دروازہ سے نکلتے........''

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من ترک بعض الاختیار...... حدیث نمبر:1276)

خلیفۂ چہارم امیرالمؤمنین سیدنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

''لوگوں سے وہ باتیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں (عوام کے سامنے مشکل باتیں بیان کرکے) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بیان کردہ باتیں جھٹلا دی جائیں''

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم.......حدیث نمبر 127)

د : حضرت عائشہؓ کا یہ مقصد اور منشا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، روایت یوں ہے:

''ایک صاحب حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی مجلس میں شریک تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان الفاظ میں درود بھیجا: اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے جو آخری نبی ہیں، جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اُن صاحب سے کہا: تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو 'خاتم الانبیاء'' کہنا کافی ہے، اس لئے کہ ہم لوگوں سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، پھر جب وہ نازل ہوں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنے زمانۂ نزول میں بھی وہ نبی اور پیغمبر رہیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، حدیث نمبر 27187 باب من کرہ ان یقول لا نبی بعد النبی)

اہم بات یہ بھی ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب میں یہ روایت حضرت عائشہؓ کے قول کے فوری بعد نقل کی گئی تا کہ آپؓ کے قول کا مقصد و منشا اچھی طرح واضح ہو جائے، دھوکہ دہی غلط فہمی اور گمراہی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

ہ: حضرت عائشہؓ کے اس قول کا مقصد و منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی نفی کرنا ہرگز نہیں

ہے، اس لئے آپؓ پوری امتِ مسلمہ کی طرح عقیدۂ ختمِ نبوت کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں خود آپؓ کی روایت موجود ہے، جس میں آپؓ نے اس عقیدۂ کو امت تک پہونچایا اور اُس کو سمجھایا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کی روایت یوں بیان کرتی ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سوائے مبشرات کے نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ اچھے خواب ہیں، جو مسلمان دیکھتا ہے یا اُس کو دیکھائے جاتے ہیں''

(مسند احمد، حدیث نمبر: 24977)

ز : حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب یہ قول تکملہ مجمع بحار الانوار، مصنف ابن ابی شیبہ اور جن دوسری کتابوں میں نقل کیا گیا، تقریباً سب جگہ یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے پس منظر میں پیش کیا گیا، اور یہ وضاحت کی گئی کہ یہ قول ''لا نبی بعدی'' حدیث کے الفاظ کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس قول سے کسی کی نبوت و پیغمبری کو ثابت کیا گیا، بل کہ اس کی وجہ سے ختمِ نبوت کے بارے میں جو شک وشبہ ہوسکتا تھا اُس کو بھی ختم کیا گیا مگر یہ قادیانیوں کی خیانت اور بددیانتی ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب اس قول کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے انکار اور مرزا غلام قادیانی کی جھوٹی نبوت کے اقرار کی دلیل بنادیا، کہنے والے نے بہت خوب کہا: ''اذالم تستحی فاصنع ماشئت'' جب تمہارے اندر شرم وحیاء ہی نہ ہوتو جو چاہو کر سکتے ہو۔

نوٹ: حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب اس قول سے متعلق تفصیل دیکھنے کے لئے کتاب ملاحظہ ہوں: حضرت عائشہؓ پر قادیانی فرقہ کا بہتان۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا انکار:

عقیدۂ ختم نبوت کے اقرار کی وجہ سے مرزا غلام قادیانی کے بشمول تا قیامت پیدا ہونے والے تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دعویٔ نبوت کا انکار کرنا بھی لازم ہے، نبوت کا دعویٰ کرنے والے اور اُس کے دعویٔ نبوت کو قبول کرنے والوں کو کافر جاننا اور سمجھنا ضروری ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو احادیث میں دجال، مکار، عیار، جعلساز اور دھوکہ باز فرمایا گیا، یہ لوگ بھی کافر اور ان کے ماننے والے بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

ایمان وعقیدہ میں فرق

سوال: ایمان وعقیدہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، اسی کو عرف میں عقیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ایمان کامل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی تمام ایمانیات پر یقین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تقاضوں پر بھی عمل کرے، یعنی تمام مامورات کو حتی الوسع بجالائے، اور منہیات سے بچے۔ (کتاب النوازل: ۱/ ۲۴۷)

ثواب وعذاب روح پر ہوگا یا بدن پر؟

سوال: انسان کے مرنے کے بعد ثواب وعذاب انسان کے بدن پر ہوگا یا صرف روح کو ہوگا؟

جواب: گنہگاروں کو عذاب اور نیکو کاروں کو ثواب کا اثر، روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے، لیکن اس کی کیفیت کیا ہوگی ہماری عقل نارسا اس کو جاننے سے عاجز ہے۔ (کتاب النوازل: ۱/ ۳۱۰)

عالم برزخ کہاں ہے؟ سجین وعلیین کسے کہتے ہیں؟

سوال: عالم برزخ کہاں قائم ہے، اگر زمین کے نیچے ہے تو علیین وسجین کا کیا مطلب ہے؟

جواب: عالم برزخ کسی جگہ اور مقام کا نام نہیں، بلکہ موت سے لے کر حشر تک کے درمیانی وقفہ کو برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور علیین وسجین خاص جگہوں کے نام ہیں، اکثر مفسرین کے نزدیک علیین (مومن روحوں کا مستقر) ساتویں آسمان پر ہے اور سجین (کافر روحوں کا مستقر) ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ (کتاب النوازل: ۱/ ۳۱۲)

”اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں“ ایسا کہنا کیسا ہے؟

سوال: اکثر لوگ بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں“، میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کے جملوں سے اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی نہیں ہوتی؟ اگر کوئی شادی شدہ مرد یا

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

عورت یہ جملہ کہے تو اس کے ایمان اور نکاح پر کوئی اثر پڑے گا؟

جواب: ’’اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں‘‘ اس طرح کا جملہ نہیں کہنا چاہیئے، اس طرح کہنے سے آدمی کے ایمان ونکاح پر اثر نہیں پڑتا لیکن یہ جملہ (اللہ کے یہاں دیر ہے) بہر حال مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہر قسم کے نقص وکمی سے پاک ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر کام کو اپنی مرضی کے مطابق اس کے وقتِ مقررہ پر انجام دیتے ہیں تو اللہ کے یہاں نہ دیر ہے نہ اندھیر۔ (ماخوذ از: دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)

’’اوپر اللہ، اور نیچے آپ کا سہارا‘‘ کہنا کیسا ہے؟

سوال: کسی سائل کا اوپر اللہ اور نیچے آپ کا سہارا‘‘ کہنا کیسا ہے؟ کیا یہ شرکیہ الفاظ ہیں؟

جواب: ’’اوپر اللہ ہے، اور نیچے آپ کا سہارا‘‘ اس جملہ کو کہنے والے کی کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو میری مدد کا سبب بنایا ہے تو اس میں بہ ظاہر کوئی حرج نہیں، اور اگر خدانخواستہ مراد یہ ہے کہ آپ ہی اصل میں دینے والے ہیں، جیسے اللہ دینے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسا کہنا قطعاً غلط ہے، اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ سوال کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ (کتاب النوازل: ۱/۲۹۶)

علاج کے لئے گائے کے پیشاب کا استعمال

سوال: ایک شخص کو بواسیر ہے جو لاسٹ اسٹیج میں ہے، ڈاکٹر آپریشن کا مشورہ دے رہے ہیں؛ لیکن بیمار شخص کا دوست جو کہ ہندو ہے وہ کہتا ہے کہ اس کا یونانی علاج ہے؛ لیکن اس یونانی دوائی میں گائے کے پیشاب کی بدبو آرہی ہے اور ڈبّے کے اوپر گائے موتر کا لیبل بھی لگا ہوا ہے تو اس دوائی کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

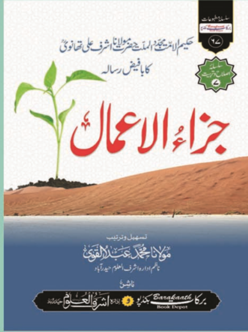
جواب: کسی بھی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا بھی حرام ہے، الا یہ کہ بیماری مہلک یا ناقابلِ برداشت ہو اور مسلمان ماہر دین دار طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے اور یہ یقین ہوجائے کہ شفا حرام چیز میں ہی منحصر ہے تو مجبوراً بطورِ دوا وعلاج بقدرِ ضرورت حرام اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۲/۱۵۷)

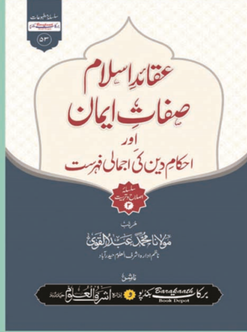
فلٹر کیا ہوا پیشاب

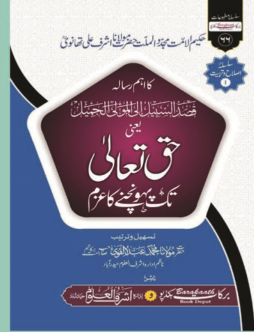
سوال: اگر پیشاب کو فلٹر کرلیا جائے تو کیا اس سے پیشاب پاک ہوجائے گا اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: پیشاب نجس ہے، اگر اُسے فلٹر بھی کیا جائے تب بھی وہ نجس ہی رہے گا؛ کیوں کہ فلٹر کرنے سے صرف اس کی بدبو زائل ہوتی ہے، حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے انتفاع جائز نہیں۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/۱۱۲)

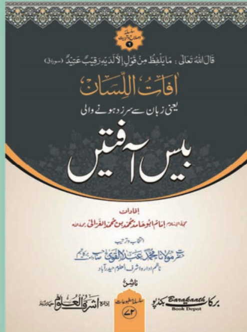
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Dec-23, date of Posting 5th Dec-23

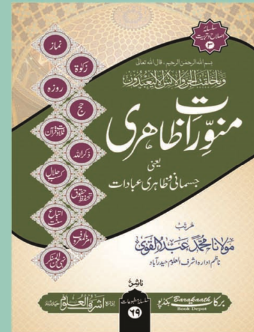


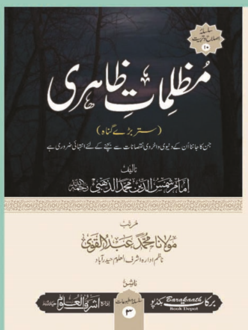


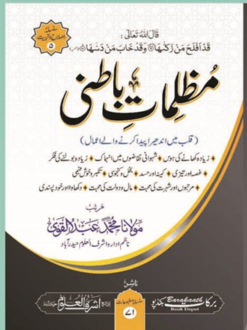


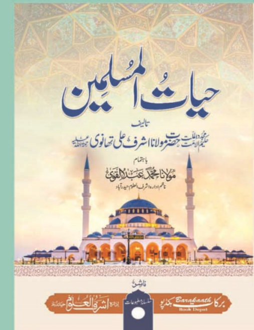












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59